ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ کی مایہ ناز تصنیف

"مقدمہ صحیح البہاری" کا سلیس اردو ترجمہ

ضعیف، موضوع حدیث کا علمی، فنی جائزہ

مترجم

مولانا محمد طفیل احمد مصباحی

دار النعمان
للطباعۃ والنشر والتوزیع

ھدیہ منجانب حاجی نعمان مدنی
0307-

ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ کی مایۂ ناز تصنیف
"مقدمۂ صحیح البہاری" کا سلیس اردو ترجمہ

ضعیف اور موضوع حدیث کا علمی وفنی جائزہ

مترجم

مولانا محمد طفیل احمد مصباحی

ابن مولانا حافظ وقاری زین العابدین صاحب
سبحان پور کٹوریا، وایا عمر پور، ضلع بانکا، بہار

ناشر

مکتبہ دار النعمان
0300-7940096, 0345-7760840

نام کتاب	ضعیف اور موضوع حدیث کا علمی وفنی جائزہ
مصنف	ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ
مترجم	مولانا محمد طفیل احمد مصباحی
اصطلاحاتِ حدیث کی تعریف بقلم	مولانا محمد طفیل احمد مصباحی
اصلاح و نظر ثانی	علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی
پروف ریڈنگ	مفتی عابد رضا مصباحی، ریاض الدین مصباحی وجہ القمر مصباحی، مولانا محمد پرویز عالم نعمانی
کمپوزنگ	مہتاب پیامی، پیامی کمپیوٹر گرافکس، مبارک پور موبائل۔ 9336741245
صفحات	۴۴
اشاعت بار اول	جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ / مئی ۲۰۰۹ء
قیمت	

فہرستِ عناوین

کلماتِ مبارکہ

جامع معقول و منقول، استاذ العلما حضرت علامہ **عبد الشکور** صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ
شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یو۔پی۔)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ملک العلماء، حضرت مولانا ظفر الدین علیہ الرحمۃ والرضوان، اہلِ سنت و جماعت کے نامور مصنف، ماہر مفتی، بلند پایہ محقق، اور جلیل القدر محدث تھے اور عالمِ اسلام کے عبقری فقیہ و محدث، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے تلمیذ رشید تھے۔ دیگر کتابوں کے ساتھ حدیث کی عظیم کتاب "بخاری شریف" بھی ان سے پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔

محدث بریلوی کی بابرکت صحبت و تربیت ہے کہ دیگر فنون کی طرح علمِ حدیث میں بھی وہ مہارت رکھتے تھے، احادیث کریمہ کو جمع کیا اور اس حدیثی ذخیرہ و مجموعہ کو الجامع الرضوی (صحیح البہاری) کی صورت میں پیش کیا، یہ علمی و فنی کارناموں میں عظیم کارنامہ ہے۔ جو ان کی محدثانہ شان پر روشن دلیل ہے۔

"صحیح البہاری" پر عربی میں ایک گراں قدر مقدمہ ہے یہ کتاب "ضعیف و موضوع حدیث کا علمی و فنی جائزہ" اسی کا ترجمہ ہے۔ مترجم عزیز گرامی مولانا طفیل احمد مصباحی ہیں: ترجمہ ایک زبان کو دوسری زبان کے قالب میں ڈھالنا ہے، یہ کام اہم اور مشکل ہے۔ عزیز موصوف نے محنت کیا ہے اور توانائی صرف کیا ہے، ترجمہ آسان اور سہل بنانے کی بھرپور کوشش کی ہے، امید ہے کہ ان کی یہ کاوش بنظرِ تحسین دیکھی جائے گی۔

مولانا طفیل احمد مصباحی سلیم الطبع نیک مزاج اور درجۂ فضیلت کے محنتی متعلم ہیں، اس دورِ تعلم میں ان کا یہ کام یقیناً لائقِ تحسین ہے۔ اس لیے ان کو داد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت دے اور ان کو سلامتی کے ساتھ رکھے۔

عبد الشکور عفی عنہ ۲۸/ ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ

تقدیم

مصلح قوم وملت، ادیب شہیر، حضرت علامہ عبد المبین نعمانی قادری دامت برکاتہم القدسیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وآلہ وصحبہ اجمعین

ادلۂ شرعیہ میں قرآن کے بعد حدیثِ رسول کا درجہ ہے۔ قرآن پاک کی حرف بہ حرف حفاظت اللہ عزوجل نے اپنے ذمۂ کرم پر لے لی ہے۔ اس لیے آیاتِ قرآنیہ میں تحریف اور اضافے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ احادیثِ رسول میں چال چلنے والوں نے چال چلی اور بہت کچھ حذف واضافے کی کوشش کی، لیکن اللہ عزوجل کو یہ بھی منظور نہ تھا کہ اس کے بھیجے ہوئے رسولِ مطاع کے ارشادات وفرمودات میں ردوبدل ہو، اس لیے اس نے اپنے بندوں میں ایسے صالح اور قوی الحافظہ افراد پیدا فرمائے جنھوں نے احادیثِ کریمہ کو ضبطِ تام کے ساتھ تحریفات سے محفوظ ومصئون رکھا اور جنھوں نے بھی احادیث میں تحریف یا جہالت وغفلت کے سبب کچھ ردوبدل کیا ان کو بھی چھان پھٹک کر الگ کر ڈالا۔ اسی لیے اسلافِ کرام نے "فنِ رجال" اور "فنِ جرح وتعدیل" کی تدوین فرمائی اور جہاں کہیں کسی طرح معاملہ حل ہوتا نظر نہ آیا تو پھر قرآن کریم کے محکم اصول اور احادیثِ صحاح سے ثابت شدہ احکام ومسائل کی روشنی میں انھیں پرکھ کر الگ کر دیا۔ لہٰذا کوئی بھی حدیث اگر اصول سے ٹکرائے گی قطعاً رد کر دی جائے گی اور جو اصول کے مطابق ہوگی اگرچہ کتنی ہی ضعیف کیوں نہ ہو، فضائل ومستحبات میں حجت ہوگی۔ اس کے لیے اصولِ حدیث کا فن بھی وجود میں آیا اور آج تک بے شمار کتابیں اس فن شریف میں بھی منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

ملک العلما فاضلِ بہار حضرت علامہ محمد ظفر الدین رضوی (تلمیذ وخلیفہ امام احمد رضا محدث بریلوی) قدس سرہ علمِ حدیث کے بحرِ زخار تھے۔ انھوں نے احادیث کی متداول کتابوں پر جب نظر کی تو دیکھا کہ احناف کی مستدل روایات پر مشتمل مجموعے بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ ضرورت پوری نہیں کرتے۔ احادیث کے جو مجموعے مروج ومتداول ہیں ان کی ترتیب

کچھ ایسی ہے کہ ان میں زیادہ تر دوسرے مسالک (شوافع وغیرہ) کے استدلالات ہیں اور درمیان میں احناف کی بھی کثیر احادیث آگئی ہیں۔ لیکن ان کے یکجا نہ ہونے کی وجہ سے استدلال میں دشواریاں پیش آتی تھیں، جس کے پیشِ نظر، حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے "جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری" کے نام سے ایک مجموعۂ احادیث تیار کیا، جس کی پہلی جلد عقائد پر مشتمل ہے جو اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ دوسری جلد طہارت وصلوٰۃ پر ہے جو مطبوعہ ہے۔ اس کے کل صفحات ۹۶۰ ہیں جب کہ فہرست وتقدیمات کے ۴۷ صفحات ان پر مستزاد ہیں۔ کتاب متوسط سائز پر ہے اور ہر صفحے میں سطریں پچیس ہیں۔ خط بھی باریک ہے اگر اس کو جدید طرز پر شائع کیا جائے تو صفحات تقریباً دو ہزار ہو جائیں گے۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کو از سرِ نو ایڈٹ کر کے تخریج وتحشیہ کے ساتھ منظرِ عام پر لایا جائے۔ کتاب جس طرز پر چھپی ہے اس کے بھی چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ چوتھا ایڈیشن تنظیم ائمہ مساجد مدنپورہ ممبئی کی طرف سے ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء میں شائع ہوا ہے، جس میں بطورِ خاص رضا اکیڈمی ممبئی کے بانی ناشر مسلکِ اہلِ سنت جناب الحاج محمد سعید نوری حفظہٗ ربہ کی کوششیں شامل رہی ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ بعد کے تمام ایڈیشن اس نسخے کے عکس ہیں جو حضرت ملک العلما نے اپنی حیات میں شائع کیے تھے۔

اس عظیم الشان حدیثی سرمایہ پر مصنف علام حضرت ملک العلما فاضلِ بہار علیہ الرحمہ نے ایک مبسوط "مقدمہ" بھی تحریر فرمایا ہے، جو کتاب کے پچیس صفحات پر مشتمل ہے اور اپنے مواد کے اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس مقدمے میں خاص طور سے احادیثِ ضعاف پر بڑی اچھی بحث فرمائی ہے، جو اہلِ علم اور عوام دونوں کے لیے بہت مفید ہے۔ آج کل عام طور سے فضائل ومناقب کی ضعیف حدیثوں کو یہ کہہ کر ترک کر دیا جاتا ہے کہ یہ ضعیف ہیں۔ حالاں کہ سلفاً خلفاً اس پر اتفاق ہے کہ احادیث ضعاف، فضائل ومناقب اور فضائلِ اعمال میں قابلِ حجت ہیں۔ اس سلسلے میں وہ لوگ زیادہ دلچسپی لیتے ہیں جو محبوبانِ خدا، انبیا واولیا کے فضائل ومناقب اور ان کے درجاتِ عالیہ نیز کرامات کے بیان سے منہ بسورتے ہیں، کیوں کہ یہ لوگ اپنے عقیدے میں اولیا تو اولیا، انبیائے کرام کو بھی اپنی ہی طرح بشر سمجھتے ہیں۔ اور ان

میں ایک خاص طبقہ تو فضائل اعمال کا سخت مخالف ہے جو یہ بھی نہیں چاہتا کہ اللہ کے بندے فرائض و واجبات کے علاوہ کچھ زیادہ عبادات کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل کریں۔ حالاں کہ عبادات میں کثرت، صحابۂ کرام سے ثابت ہے، پھر تابعین و تبع تابعین سے بھی۔

لہٰذا مقدمۂ کتاب کا حصہ خاص طور سے قابل توجہ اور لائق مطالعہ ہے۔ کتاب چوں کہ عربی میں تھی اس لیے استفادے میں بہت سے لوگوں کو دشواریاں پیش آتی تھیں اس لیے عزیزی مولانا محمد طفیل احمد مصباحی نے اس کو اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے جس کے لیے وہ قارئین کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں۔

کتاب چوں کہ فنی موضوع پر ہے اس لیے بہت سے مقامات خالص فنی اور اصطلاحی الفاظ پر مشتمل ہیں۔ ان سب کی تفصیل و تشریح میں کتاب ضخیم ہو جاتی اور بر وقت کتاب کو منظرِ عام پر لانا مقصود تھا، اس لیے صرف ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے، تاہم بہت سی اصطلاحات کی تشریح، مترجم نے حاشیے میں کر دی ہے، اور یوں ہی بہت سے ائمہ کی تاریخ وفات بھی قوسین میں درج کر دی ہے، جس سے اس ترجمے کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

امید ہے کہ اہلِ علم اس سے ضرور استفادہ کریں گے، دوسرے عام حضرات بھی بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ کوئی اہل علم ان مباحث کو مزید تشریح و تفصیل کے ساتھ عام فہم اردو میں تحریر کر دے تو ایک بڑا کام ہو جائے اور اردو کے عام قارئین کو بھی پورے طور پر استفادے کا موقع نصیب ہو جائے۔ دعا ہے کہ مولا عز و جل مترجم سلمہ کو مزید علمی و دینی خدمات کی توفیق ارزاں فرمائے، علم و عمر میں برکتوں سے نوازے۔ آمین بجاہ حبیبہ الکریم علیہ وآلہ الصلاۃ والتسلیم۔

محمد عبد المبین نعمانی قادری

المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ

١٦/ ربیع الآخر، ١٤٣٠ھ دو شنبہ مبارکہ ١٣/ اپریل ٢٠٠٩ء

تقریظ

فخر صحافت، نازش لوح و قلم، حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب قبلہ دام ظلہ

زیرِ نظر کتاب "جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری" کے مقدمہ کا ترجمہ ہے۔ جامع الرضوی کے مصنف، امام احمد رضا محدث بریلوی کے تلمیذ و خلیفہ، ملک العلما حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ ہیں۔ آپ ستر سے زائد کتابوں کے مصنف اور اپنے عہد کے بلند پایہ محدث تھے۔

آپ کی پیدائش ١٠ محرم الحرام ١٣٠٣ھ بمطابق ١٩ اکتوبر ١٨٨٠ء رسول پور میجرا ضلع پٹنہ، بہار میں ہوئی۔ ١٩ جمادی الآخرہ ١٣٨٢ھ، ١٨ نومبر ١٩٦٢ء کو وصال فرمایا۔

غیر منقسم ہندوستان میں عام طور پر جو کتبِ احادیث، رائج تھیں وہ فقہ شافعی کی تائید میں تھیں۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اس ضرورت کا احساس کیا اور ایک مجموعۂ احادیث، بنام "فتح المنان فی تائید مذہب النعمان" مرتب فرمایا۔ پھر علامہ سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی (١١٤٥ھ—١٢٠٥ھ) نے "عقود الجواہر المنیفہ" تصنیف کی۔ ١٣١٨ھ میں مولانا ظہیر احسن شوق نیموی بہاری نے "آثار السنن" مرتب کی، مگر افسوس! فقہ حنفی کے نقطۂ نظر سے یہ مجموعۂ احادیث مکمل نہ ہو سکا۔

پھر حضرت ملک العلما نے حنفیت و سنیت کی تائید میں مجموعۂ احادیث کی جمع و ترتیب کا کام شروع کیا۔ فقہی ابواب کے مطابق اس مرقعِ احادیث کا خاکہ چھ جلدوں پر مشتمل تھا، مگر تاہنوز "جامع الرضوی" کی تمام جلدیں منظرِ عام پر نہیں آ سکیں۔

پیشِ نظر رسالہ "جامع الرضوی جلد دوم" کا مقدمہ ہے جو بقلم مصنف اصولِ حدیث کے ١٤٣ افادات پر مشتمل ہے۔

طلبۂ اشرفیہ کو یہ مقامِ امتیاز حاصل ہے کہ وہ امام احمد رضا اور دیگر اکابرِ اہل سنت کی کتابیں شائع کرتے رہتے ہیں۔ امسال عرسِ حافظ ملت کے موقع پر، جماعتِ ثامنہ کے طلبہ "لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح" از شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ

شائع کر رہے ہیں۔ انھیں فارغین میں عزیز القدر مولانا محمد طفیل احمد مصباحی سلمہ بھی ہیں جو لکھنے پڑھنے کا اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ انھوں نے "صحیح البہاری" کے عربی مقدمہ کا سلیس اردو ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ کرنا، مستقل لکھنے سے مشکل ہوتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ ایک ترجمہ نگار، ایک قالب کی روح، دوسرے قالب میں ڈالتا ہے اور ترجمہ کا کمال یہ ہوتا ہے کہ اس پر ترجمہ کا گمان نہ ہو۔ ہم نے اس ترجمہ کو پڑھا، بڑی حد تک مفید اور اہم پایا۔ اسلوبِ بیان، رواں دواں اور دل نشین ہے۔

اس مقدمہ میں حضرت ملک العلما علیہ الرحمہ نے خاص طور سے حدیثِ ضعیف پر علمی اور فنی بحث کی ہے۔ عہدِ حاضر کے غیر اہلِ سنت بہت سے معمولاتِ اہلِ سنت کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ حدیثِ ضعیف سے ثابت ہے۔ حالاں کہ یہ ان کی علم حدیث سے لاعلمی کی دلیل ہے۔ حضرت مصنف نے ناقابلِ شکست دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حدیثِ ضعیف، موضوع نہیں ہوتی، بلکہ حدیثِ ضعیف پر عمل بھی احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے۔ آپ نے عقل و نقل کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل مستحب ہے اور مقامِ احتیاط میں ضعاف، احکام میں بھی معتبر ہیں۔

حدیثِ ضعیف کی تقویت پر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے یہ افادات بھی رقم فرمائے ہیں کہ علما کے عمل سے حدیثِ ضعیف، قوی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کشف اور تجربہ سے بھی حدیثِ ضعیف کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

پورا مقدمہ اہم علمی اور فنی افادات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے یہ مقدمہ اصولِ حدیث کی امہات کتب کی روشنی میں لکھا ہے، مگر اس کا خاص ماخذ امام احمد رضا محدث بریلوی کے وہ اہم علمی افادات ہیں جنھیں مصنف نے انتہائی عرق ریزی سے "الافادات الرضویہ" کے نام سے مرتب فرمایا تھا۔

دعا ہے کہ مولا تبارک و تعالیٰ مترجم بلند اقبال کی عمر و علم میں برکتوں کی بارش فرمائے اور اس کتاب کو قبولِ عام عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ و علیہم التحیۃ والتسلیم۔

مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یو۔پی)

عرضِ مترجم

مبسملاً و حامداً و مصلیاً و مسلماً

ہندوستان کی معروف ریاست "بہار" متعدد اعتبار سے کافی اہمیت کی حامل ہے۔ علم و فضل، فکر و فن، تصوف و معرفت، اور ادب و شاعری کو نقطۂ کمال تک پہنچانے میں فرزندانِ بہار نے جو قابلِ رشک خدمات انجام دی ہیں، انھیں تاریخ ہند کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ یہاں کی خاک سے ان گنت افراد اٹھے اور سپہرِ علم کے بدر کامل بن کر چمکے۔ اس کی آغوش میں ایک سے بڑھ کر ایک مایۂ ناز ہستیوں نے فکر و شعور کی آنکھیں کھولیں۔

حضور ملک العلما، علامہ ظفر الدین بہاری "عظیم آباد پٹنہ" (متوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) انھیں عبقری شخصیتوں میں سے ایک تھے جن کے علم و فضل، زہد و تقویٰ، جودت طبع، شان فقاہت اور مروجہ علوم و فنون میں مہارت کی بدولت، سرزمین بہار کا سر، فخر سے ہمیشہ بلند رہے گا۔ اور صرف اسی ریاست کی کیا تخصیص؟ آپ کی ضیابار شخصیت تو پوری دنیائے سنیت کے لیے باعث صد افتخار ہے۔

حضور ملک العلما کیا تھے؟ آپ کا علمی قد کس قدر اونچا تھا؟ اس کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ مکتوب ملاحظہ فرمائیں کہ شاگرد کے علمی مبلغ کا اندازہ استاذ سے زیادہ کوئی نہیں لگا سکتا۔ امام اہل سنت، خلیفہ تاج الدین احمد کے نام خط لکھتے ہیں۔
"مکرمی مولانا ظفر الدین صاحب قادری سلمہ، فقیر کے یہاں کے اعز طلبہ سے ہیں اور میرے بجان عزیز....... سنی، خالص، مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی، مہدی ہیں۔ عام درسیات میں بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں، مفتی ہیں، واعظ ہیں۔ مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ علمائے زمانہ میں "علم توقیت" سے تنہا آگاہ ہیں۔" (حیات اعلیٰ حضرت: ص ۲۴۴)

اسی طرح امام اہل سنت نے بعض مکاتیب میں اپنے اس ہونہار اور لائق و فائق شاگرد کو جن پیار بھرے القاب اور شفقت آمیز خطابات مثلاً "حبیبی وولدی وقرۃ عینی" "جان پدر بلکہ از جان بہتر" سے یاد فرمایا ہے، ان سے آپ کی قدر و منزلت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضور ملک العلما، گوناگوں فضائل و محاسن سے آراستہ ہونے کے علاوہ ایک کامیاب مصنف اور دیدہ ور محقق بھی تھے۔ حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، سیرت، منطق، فلسفہ،

علم کلام، مناظرہ، ہیئت، توقیت اور تکسیر جیسے اہم اور دقیق علوم پر لکھی گئی ستر سے زیادہ کتابیں، آپ کے سیال قلم کے اعجاز کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ آپ کی جملہ تصانیف میں "جامع الرضوی مسمّٰی بہ صحیح البہاری" کو شاہکار کا درجہ حاصل ہے۔ اور اصول حدیث سے متعلق اس کا "عربی مقدمہ" گویا سونے پہ سہاگا ہے، اس میں احادیث نبویہ کے مراتب واحکام، ضعیف کی مختلف اقسام مثلاً مرسل، منقطع، مبہم، متروک، مضطرب، معلل، مجہول اور خاص طور سے "حدیث موضوع" پر آپ نے جو محدثانہ گفتگو فرمائی ہے، وہ شائقان فن کے لیے ایک انمول تحفہ ہے۔

زیر نظر کتاب "ضعیف اور موضوع حدیث کا علمی وفنی جائزہ" اسی "عربی مقدمہ" کا اردو ترجمہ ہے جو تحریر وتالیف کے حوالے سے ناچیز راقم الحروف کی پہلی متطفلانہ کاوش ہے۔ تقریباً چھ ماہ پیشتر کی بات ہے کہ مادر علمی "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارک پور (حفظہا اللہ تعالیٰ عن الشرور) کی عظیم الشان "امام احمد رضا لائبریری" میں "صحیح البہاری" کی زیارت ہوئی اور پہلی بار باضابطہ مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ الٹ پلٹ اور ورق گردانی کے بعد، کتاب کے جس حصے نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہی "مقدمہ" ہے جس کا ترجمہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مقدمہ کی اہمیت ومعنویت کے پیش نظر دوران مطالعہ ہی تہیہ کر لیا تھا کہ اگر تائید ایزدی اور توفیق الٰہی شامل حال رہی تو افادۂ عام کی خاطر ضرور اس کا آسان اردو ترجمہ کروں گا۔ بس یہ ایک خیال تھا کہ جو حاشیۂ ذہن پر ابھرا اور بلبلے کی طرح ختم ہو گیا۔

وقت گزرتا گیا بالآخر "کل امر مرہون باوقاتہ" کے بمصداق وہ ساعتِ مسعود آ ہی گئی جس میں اس مہم کو سرانجام دینے کے لیے غیب سے اسباب مہیا ہونا شروع ہو گئے۔ اپنی بے بضاعتی اور کم علمی کے باوجود محض ذاتِ الٰہی اور نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نظر عنایت پر بھروسہ کر کے ترجمہ لکھنے بیٹھ گیا اور شب وروز کی محنت شاقہ کے بعد صرف ایک ہفتہ کی قلیل مدت میں یہ علمی کام پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ فللّٰہ الحمد علی ذالک۔

شکر کہ جمازہ بمنزل رسید زورق امید بہ ساحل رسید

ترجمہ نگاری سے لے کر اس کی ترتیب وتہذیب وغیرہ میں جن صبر آزما مشقتوں اور جگر گداز مراحل کا سامنا کرنا پڑا وہ حقیر ہی جانتا ہے۔ دل میں بارہا یہ خیال گذرا کہ اب بہت ہو گیا،

بہتر یہی ہے کہ اس خار دار بساط کو لپیٹ کر رکھ دیا جائے لیکن جذبۂ شوق پھر سمند ہمت کو مہمیز کرتا اور کام آگے بڑھتا رہتا۔

بہر کیف اس کتاب کو حسن صوری ومعنوی سے آراستہ کرنے میں حتی المقدور کوشش صرف کی گئی ہے، اہل علم کی بارگاہ میں مودبانہ اپیل ہے کہ وہ کسی قسم کی غلطی پر مطلع ہوں تو آگاہ فرمائیں، تاکہ اصلاح ہو سکے۔

آخر میں ان تمام حضرات کو تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، جنھوں نے اس کار خیر میں حصہ لیا خاص طور سے مفکر اسلام، ادیب شہیر، حضرت علامہ عبد المبین نعمانی صاحب قبلہ (جو بے پناہ جدوجہد اور مشقت وجاں فشانی کے ساتھ قومی وملی مسائل کے بار گراں کو اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے نوجوان نسلوں کو دعوت فکر وعمل دینے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔) کی بارگاہ میں ہدیۂ امتنان وتشکر پیش کرتا ہوں، جنھوں نے اس کتاب کو از اول تا آخر پڑھا اور اس کی اصلاح فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے جماعت اہل سنت پر حضرت کا سایہ تادیر قائم رکھے۔ آمین۔

دعاؤں کا طالب

محمد طفیل احمد مصباحی

۳/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

۲۹/اپریل ۲۰۰۹ء بروز بدھ

پہلا فائدہ: کتبِ حدیث کی اقسام

یہ جلدیں، یعنی صحیح البخاری اگرچہ نفس الامر میں صحاح ستہ مثلاً بخاری، مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، نسائی وابن ماجہ اور اس کے علاوہ دیگر مشہور کتبِ حدیث کے مثل ہیں، اور ان کتابوں میں حسن، صحیح اور ضعیف ہر قسم کی احادیث موجود ہیں، لیکن بطورِ غلبہ انھیں "صحاحِ ستہ" کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی (متوفی ۱۲۵۲ھ) نے "مقدمہ اشعۃ اللمعات" میں اس کی صراحت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"دریں کتبِ ستہ اقسامِ احادیث از صحاح وحسان وضعاف موجود است وتسمیہ آں بصحاح ستہ بطریق تغلیب است۔"

لیکن بالغ نظر اہل علم پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ "صحیح البخاری" کی احادیث یا تو صحیح ہیں یا پھر حسن، کیوں کہ علمانے اس کی تصریح کی ہے کہ جو حدیث متعدد ضعیف طریقوں سے مروی ہو وہ درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے۔ تو جب حدیث، تعدد طرق سے پایۂ حسن تک پہنچ گئی تو اس میں کسی طرح کا ضعف باقی ہی نہ رہا۔

اس لیے حتی المقدور میں نے حدیث کے تعدد طرق کو ثابت کرنے میں غفلت و سستی سے کام نہیں لیا تاکہ کثرت طرق سے حدیث ضعیف، مرتبۂ حسن اور حدیث حسن، درجۂ صحت کو پہنچ سکے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی (متوفیٰ: ۸۵۲ھ) "شرح نخبہ" میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "مختلف طریقوں سے مروی حدیث پر صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا، کیوں کہ تعدد طرق کی مجموعی صورت میں ایک ایسی قوت پیدا ہو جاتی ہے جو راوی کے ضبط واتقان کی کمی کو دور کر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ "حسن لذاتہ" کی اسناد پر تعدد طرق کی بنیاد پر صحت کا حکم لگایا جاتا ہے۔"

علاوہ ازیں وہ جملہ حدیثیں جو اہل علم کے عمل سے موید ہوں وہ قوی اور لائق حجت بن جاتی ہیں۔

فائدہ (۲): مراسیل کے قبول میں صحابہ وتابعین کا مسلک

جدل مہذب (اختلافی مسائل) کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ ہمارے اصحاب، علمائے احناف، حدیث کی اتباع وپیروی اور اس سے استدلال کرنے میں کمالِ اہتمام کا ثبوت دیتے ہیں۔ جہاں دیگر مسالک کے اہل علم حضرات نے قیاس کو اپنا مستدل ٹھہرایا ہے وہاں احناف نے حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اہتمام بالحدیث ہی کی بدولت احناف نے "مراسیل" کو قابل حجت اور حدیثِ ضعیف کو قیاس پر مقدم رکھا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ: ۱۰۱۴ھ) نے "شرح النقایہ" میں تحریر کیا ہے:

"جان لو ہمارے علمانے دوسروں کی بہ نسبت اتباعِ حدیث کا کچھ زیادہ ہی التزام کیا ہے وہ اس طور پر کہ احناف نے سلف کی پیروی کرتے ہوئے حدیثِ مرسل کو قبول کیا ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ معتمد ہونے میں مُسند کی طرح ہے۔ باوجودے کہ صحابہ کرام کے مراسیل کے قبول پر اجماع ہے جس میں کسی طرح کا اختلاف نہیں۔"

امام طبری (متوفی: ۳۱۰ھ) نے کہا کہ: "مراسیل کے قبول کرنے پر علما کا اتفاق ہے۔" دو صدی تک کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا سوائے امام شافعی (متوفی: ۲۰۴ھ) کے جیسا کہ حافظ ابو عمرو بن عبد البر (متوفیٰ: ۴۶۳ھ) نے "تمہید" میں ذکر کیا ہے۔ لہذا احناف کی طرف ترکِ حدیث کی نسبت کر کے انہیں قیاس اور رائے کا عامل بتانا سخت ترین غلطی ہے، کیوں کہ ہمارے نزدیک صحابہ کی موقوف حدیث اسی طرح حدیثِ ضعیف بھی "قیاس" پر مقدم ہے۔ لہٰذا ہمارے ذکر کردہ دلائل کی مخالفت کرنا زعم باطل اور رائے فاسد ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ "حدیثِ مرسل" جمہور کے نزدیک حجت ہے۔ امام مالک (متوفی: ۱۷۹ھ) کا بھی یہی مذہب ہے۔ حافظ ابو الفرج ابن جوزی (متوفی: ۵۹۷ھ) نے "تحقیق" میں امام احمد (متوفی: ۲۴۱ھ) سے اور خطیب نے اپنی "جامع" میں نقل کیا ہے کہ "بسا اوقات حدیثِ مرسل، مسند سے قوی ہوتی ہے۔"

احناف میں عیسیٰ بن ابان اور مالکیہ کے ایک گروہ نے اس پر جزم ویقین کا اظہار کیا ہے کہ "مرسل احادیث، مسند سے اولیٰ واقویٰ ہیں۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص نے پوری سند ذکر کر دی اس نے اس کی تحقیق تمہارے حوالے کر دی اور جس نے بطور ارسال حدیث بیان کی وہ اس چھوڑے ہوئے راوی کی تحقیق کا خود ضامن ہو گیا۔

احناف اور مالکیہ کے بعض اہل علم نے کہا ہے کہ ہم اس کے قائل نہیں کہ "مرسل، مسند سے قوی تر ہے۔ ہاں اس امر کے ضرور قائل ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں، وجوبِ حجت میں ایک دوسرے کے مساوی ہیں۔" ان حضرات نے اپنے موقف پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ ائمہ سلف نے مرسل احادیث، روایت کیں اور انہیں حضور تک پہنچایا لیکن کسی نے ان پر طعن نہیں کیا۔

امام شافعی (متوفی: ۲۰۴ھ) مرسل کو قابلِ حجت نہیں مانتے، البتہ کسی اور سند سے اس کی تائید ہو جائے تو وہ مقبول ہے، خواہ وہ سند، متصل ہو یا مرسل۔ اسی طرح کسی صحابی کے قول یا اکثر اہل علم کے ارشاد سے اس کی تائید ہو جائے یا پھر معلوم ہو جائے کہ ارسال کرنے والا راوی، صرف ثقہ راوی سے ہی ارسال کرتا ہے تو ان تمام صورتوں میں ان کے یہاں حدیث مرسل، مقبول ہے۔

پھر جاننا چاہیے کہ حدیث کی معروف قسمیں مثلاً صحیح، حسن، ضعیف، مرسل، منقطع اور معضل وغیرہ، یہ علمائے متاخرین کی اصطلاحات ہیں۔ باقی رہے علمائے متقدمین، تو ان کے یہاں یہ تقسیم رائج نہیں جیسا کہ امام مالک نے اپنی "موطا" میں ایسا ہی کیا ہے۔

ائمہ سلف، حدیثِ مرسل، صحیح اور حسن کے مابین کوئی فرق نہیں کرتے اور منقطع ومعضل پر بھی مرسل کا اطلاق کرتے ہیں، لیکن ہمارے مسلکی حریف نے جب دیکھا کہ احناف، احادیثِ مرسلہ سے استدلال کرتے ہیں تو اپنی اصطلاح کے مطابق اس پر ضعیف کا حکم لگا دیا اور اپنے زعم میں یہ بات ہماری طرف منسوب کر دی کہ احناف، حدیثِ صحیح یا حسن کے مقابل، حدیثِ ضعیف پر عمل کرتے ہیں۔

نوٹ:— حدیثِ مرسل: کہتے ہیں کہ سلسلۂ سند کے آخر سے تابعی کے بعد راوی (صحابی) ساقط ہو، مثلاً تابعی کا حدیث روایت کرتے ہوئے کہنا: قال رسول اللہ ﷺ کذا۔ (شرح نخبۃ الفکر ص: ۵) مُسنَد: اس حدیث مرفوع کو کہتے ہیں جس کی سند حضور تک متصل ہو، کما فی مقدمۃ المشکوٰۃ۔ نیز جس حدیث کی سند میں دو یا اس سے زیادہ راوی متواتراً ساقط ہوں تو اسے "معضل" اور کسی وجہ سے بھی عدم اتصال پایا جائے تو اسے "منقطع" کہتے ہیں۔ (از مترجم غفرلہ)

فائدہ (۳): حدیث کے مراتب اور اس کے احکام

سب سے اعلیٰ درجہ کی حدیث "صحیح لذاتہ" ہے، پھر بالترتیب "صحیح لغیرہ" "حسن لذاتہ" اور "حسن لغیرہ" ہیں یہ چاروں قسمیں مطلقاً قابلِ حجت ہیں، پھر "ضعیف بضعف قریب، یہ متابعات اور شواہد کے کام آتی ہے۔ اور جابر و موید سے قوت پاکر "حسن لغیرہ" بلکہ "صحیح لغیرہ" کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے اور احکام میں اس سے استدلال جائز و درست ہوتا ہے اور جابر سے تقویت نہ پانے کی صورت میں فضائلِ اعمال میں معتبر ہوتی ہے۔

ضعیف، بضعفِ قریب کے بعد "ضعیف بضعفِ قوی و وہن شدید" کا درجہ ہے۔ مثلاً راوی کا فاسق ہونا لیکن یہ فسق، کذب کی حد تک نہ پہنچا ہو تو یہ قسم، احکام میں معتبر نہیں، ہاں! فضائلِ اعمال میں مذہبِ راجح کے مطابق معتبر ہے اور بعض کے نزدیک اگر تعدد طرق اور کثرت مخارج سے تلافی ہو جائے تو اسے قبول کیا جائے گا۔

چھٹے درجہ پر "حدیث مطروح" ہے جس کا دار و مدار وضاع، کذاب یا متہم بالکذب پر ہے، اس کے بعد "موضوع" ہے۔ یہ کسی طرح بھی قابلِ حجت نہیں، نہ فضائلِ اعمال میں، نہ کسی اور باب میں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ اسے حدیث کہنا ہی سرے سے جائز نہیں البتہ بطورِ توسع جائز ہے اور اسے مجازاً حدیث کہا جاتا ہے ورنہ درحقیقت یہ من گھڑت روایت ہے۔ العیاذ باللہ۔

نوٹ:- **صحیح لذاتہ:** اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند، متصل ہو اور اس کے راوی عادل اور تام الضبط ہوں، نیز وہ حدیث، شاذ و معلل نہ ہو۔ اگر ان صفات میں کچھ کمی ہو جائے اور تعدد طرق سے اس کی تلافی ہو جائے تو وہ "صحیح لغیرہ" ہے۔ **حسن لذاتہ:** کہتے ہیں جس میں صحیح کی تمام شرطیں پائی جائیں۔ صرف ضبطِ راوی کی کمی ہو۔ **حدیث حسن لغیرہ:** جس کا حسن تقویت کی وجہ سے ہو اور تعدّدِ طرق سے اس کی تلافی ہو جائے۔ **حدیث ضعیف:** جس میں صحیح کی شرطیں کلاًّ یا بعضاً مفقود ہوں۔ **حدیث مطروح:** وہ ہے جس کا راوی وضاع، کذاب یا متہم بالکذب ہو۔ از: مترجم عفی عنہ۔

فائدہ (۴): تعدد طرق سے احادیث درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہیں

جو حدیث متعدد ضعیف طریقوں سے مروی ہو، وہ "حسن" ہو جایا کرتی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "مرقات" میں "باب ما لا یجوز به الصلوٰة" کی آخری فصل میں ذکر کیا ہے کہ "تعدد طرق، حدیث ضعیف کو مرتبہ حسن تک پہنچا دیتا ہے۔" اسی طرح آپ نے "موضوعاتِ کبیر" کے آخر میں لکھا ہے: "تعدد طرق، اگرچہ ضعیف ہو مگر یہ ضعیف کو حسن کی منزل میں پہنچا دیتا ہے۔"

محقق علی الاطلاق، امام ابن ہمام (متوفی: ۸۶۱ھ) نے "فتح القدیر" میں عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنے کے بیان میں تحریر کیا ہے: "اگرچہ یہ تمام احادیث، ضعیف اور اس کی تضعیف تام ہے، مگر تعدد طرق اور کثرت مخارج کے سبب، حسن ہیں۔" نیز آپ اس کتاب میں بعدِ مغرب "مسئلۂ نفل" کے سلسلے میں رقم فرماتے ہیں: "جائز ہے کہ حدیثِ حسن، تعدد طرق کے سبب درجۂ صحت کو پہنچ جائے اور حدیث ضعیف، تکثر روایت سے قابل حجت ٹھہرے، کیوں کہ تعدد اسناد، اس بات پر قرینہ ہے کہ نفس الامر میں اس کا ثبوت ہے۔"

امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ "میزان الشریعۃ الکبریٰ" میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فصلِ ثالث میں رقم طراز ہیں: "جمہور محدثین نے کثرتِ طرق کے باعث، حدیثِ ضعیف سے استدلال کیا ہے اور کبھی اسے حدیث صحیح سے اور کبھی حسن سے ملحق گردانا ہے۔" امام بیہقی کی "سنن کبریٰ" میں جسے انھوں نے ائمہ کرام اور ان کے اصحاب کے اقوال بیان کرنے کے سبب تالیف کیا ہے، اس میں ضعیف حدیثیں، کثرت سے موجود ہیں۔

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی: ۹۷۴ھ) "الصواعق المحرقۃ" میں امام بیہقی (متوفی: ۴۵۸ھ) سے عاشورا کے دن "التوسعة علی العیال" کی حدیث کے تحت فرماتے ہیں: "یہ اسانید، اگرچہ ضعیف ہیں لیکن بعض کی بعض سے تائید ہونے کے سبب قوی ہیں۔"

امام جلال الدین سیوطی (متوفیٰ: ۹۱۱ھ) "التعقبات علی الموضوعات" میں حدیث "النظر الی وجه علیٍ عبادة" کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھنا عبادت ہے۔ کے تحت فرماتے ہیں: "کثرت طرق سے حدیث متروک یا منکر، حدیثِ ضعیف غریب کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے، بلکہ بسا اوقات "حسن" کے درجہ میں داخل ہو جاتی ہے۔"

فائدہ (۵): قوت حدیث کے لیے دو سند ہی کافی ہے

حدیث کی قوت کے لیے دو سند کافی ہے۔ "تیسیر" میں ہے: "یہ حدیث تو عمرو بن واقد کے ضعف کے سبب ضعیف ہے، لیکن چوں کہ دو سند سے مروی ہے اس لیے قوی ہے۔" اسی میں ہے زیر بحث حدیث: "اکرموا المعزی وامسحوا برغامها فانها من دواب الجنة" کہ بکری کا احترام کرو اور اس سے مٹی جھاڑو کیوں کہ یہ جنتی جانور ہے۔ "سلسلۂ سند میں "یزید نوفلی" کے ضعف کے سبب یہ حدیث ضعیف ہے۔" پھر ابو سعید خدری

رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک شاہد پیش کی اور کہا: "اس کی اسناد، ضعیف ہے۔ لیکن اس سے قبل جو حدیث ہے، اس سے ہر ایک کی دوسرے سے تائید ہو جاتی ہے۔"

"علما کی تعظیم کرو کہ وہ انبیا کے وارث ہیں۔" اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کرنے کے بعد "صاحبِ تیسیر" اور "مصنفِ سراج منیر" نے پہلی سند پر کلام کرتے ہوئے کہا ہے کہ: "یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن اپنے مابعد یعنی دوسری سند سے منقول ہونے کے سبب قوی ہے۔" اسی طرح دوسری سند کے متعلق فرمایا کہ "یہ حدیث ضحاک بن حجرہ سے مروی ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن اپنے ما قبل کی سند سے منقول ہونے کے سبب قوی ہے۔"

فائدہ (٦): اہلِ علم کے عمل سے حدیث ضعیف کے قوی ہونے کی تحقیق

حدیث ضعیف، اہلِ علم کے عمل سے قوی ہو جاتی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "مرقاۃ" میں اقتدائے مقتدی کی فصل ثانی کے شروع میں بیان کرتے ہیں: "اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ مگر اہلِ علم کا اس پر عمل ہے۔" سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ "اس کی سند ضعیف ہے۔" امام ترمذی نے جو یہ کہا ہے: "والعمل عند اهل العلم" اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ حدیثِ ضعیف، اہلِ علم کے عمل سے قوی ہو جاتی ہے۔ باقی حقیقتِ حال، اللہ ہی جانتا ہے۔

شیخ محی الدین ابن عربی کا قول ہے "مجھ تک حضور کی ایک حدیث پہنچی اور وہ یہ کہ جو شخص ستّر ہزار بار لاالٰہ الا اللہ کا ورد کرے، اللہ اس کی مغفرت فرما دے گا اور جس کو اس کا ثواب پہنچایا جائے اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی، تو کسی کے نام ایصالِ ثواب کی نیت کے بغیر میں نے ستّر ہزار بار لاالٰہ الا اللہ کا ورد کیا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں نے اپنے بعض احباب کی معیت میں ایک دعوتِ طعام

میں شرکت کی۔ اس میں ایک ایسا جوان بھی شریک تھا، جس کا کشف بہت مشہور تھا، تو اچانک کیا دیکھا کہ وہ جوان اثنائے طعام آہ و فغاں کرنے لگا۔ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میری ماں عذاب میں مبتلا ہے، تو میں نے دل ہی دل میں کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی ماں کے نام ایصالِ ثواب کر دیا۔ اب کیا دیکھتا ہوں کہ وہ جوان ہنس رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اب میری ماں اچھی حالت میں ہے۔"

"ابن عربی" فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث کی صحت، اس جوان کے کشف سے اور اس کے کشف کی صحت، اس حدیث کے ذریعہ حاصل ہو گئی۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "تعقبات" میں امام بیہقی کے حوالے سے "صلوٰۃ التسبیح" سے متعلق حدیث کے تحت لکھتے ہیں: "سلفِ صالحین نے اس نماز کو ایک دوسرے سے اخذ کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ اور اس عمل سے حدیث مرفوع کی تقویت ہو جاتی ہے۔"

اسی طرح امام موصوف نے حدیث پاک "جس نے بلا عذر، دو نماز کو جمع کیا اس نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔" کے تحت لکھا ہے "امام ترمذی نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور کہا ہے کہ امام احمد وغیرہ نے سلسلۂ سند کے ایک راوی "حسین" کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مگر اس کے باوجود اہلِ علم کے نزدیک اس حدیث پر عمل ہے، گویا اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ اہلِ علم کے عمل سے حدیث، قوی ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے علمانے صراحت کی ہے کہ "اہلِ علم کا قول، صحتِ حدیث کی دلیل ہے، اگرچہ اس کی سند اس نوعیت کی نہ ہو کہ اس کے مثل پر اعتماد کیا جا سکے۔"

علمائے کرام کے یہ ارشادات، ان احادیث کے بارے میں ہیں جو احکام سے متعلق ہیں پھر فضائلِ اعمال کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

فائدہ(۷): کشف اور تجربہ سے حدیثِ ضعیف کی تقویت

کبھی حدیث باعتبارِ سند، انتہائی درجہ کی ضعیف ہوتی ہے لیکن علما اور صلحا کے تجربہ سے قابلِ عمل ہو جایا کرتی ہے، امام حاکم نے عمرو بن ہارون بلخی کے توسط سے عبد اللہ بن مسعود کی روایت کردہ ایک حدیث کا ذکر کیا ہے اور وہ یہ کہ "جب تمھیں کوئی حاجت درپیش ہو تو صبح یا شام کے وقت دو دو کر کے بارہ رکعات نماز پڑھو اور تشہد اخیر کے بعد اللہ کی حمد و ثنا اور نبی ﷺ پر درود و سلام بھیجو، بعدِ ازاں سجدہ کرو اور سجدے میں سات مرتبہ سورۂ فاتحہ، سات بار آیۃ الکرسی اور دس مرتبہ "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ ولہٗ الحمد و ھو علیٰ کلِّ شیءٍ قدیر" پڑھو۔ اس کے بعد یہ دعا مانگو" اللّٰھم اِنّی اَسئلُکَ بِمعاقد العزمن عرشک و منتھی الرحمۃ من کتابک وجدک الاعلیٰ و کلماتک التامۃ۔"

اور حاجت برآری کے لیے اللہ سے دعا مانگو اور سجدہ سے سر اٹھا کر سلام پھیر لو۔ احمقوں کو اس نماز کی تعلیم نہ دو کہ وہ اس کے ذریعہ جو چاہیں گے مانگیں گے اور اس کی دعا مقبول ہو جائے گی۔

اس حدیث میں "عمرو بن ہارون" ہیں جن کے بار میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ امام احمد و نسائی نے کہا یہ "متروک الحدیث" ہے۔ امام علی بن مدینی اور دار قطنی نے ان پر شدتِ ضعف کا حکم لگایا۔ صالح نے کہا "وہ کذاب تھا۔" یحییٰ بن معین نے ان کے متعلق "کذاب، خبیث اور لاشیٔ" کا قول کیا۔ یہ تمام تفصیلات "میزان الاعتدال" میں مذکور ہیں۔

امام حافظ الشان نے "تقریب" میں فرمایا "یہ متروک اور حافظ تھا"۔ امام ذہبی (متوفیٰ:۷۴۸ھ) فرماتے ہیں "اس کے ضعف اور مناکر کی کثرت پر، جملہ اہلِ علم کا اتفاق ہے اور میں گمان نہیں کرتا کہ کوئی باطل کا قصد کرے۔" "تذکرۃ الحفاظ" میں

ہے "ان کے ضعف میں کوئی شبہ نہیں۔" حافظ عبد العظیم منذری نے "کتاب الترغیب والترہیب" میں نمازِ حاجت کے سلسلے میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد کہا "عمرو بن ہارون بلخی اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں، وہ متروک اور متہم تھے۔ اپنے علم کے مطابق، سوائے ابن مہدی کے کسی اور نے ان کی توصیف و توثیق نہیں کی ہے۔"

امام احمد رضا قدس سرہ (متوفی:۱۳۴۰ھ) نے (اللہ ان کے فیوض و برکات سے ہمیں فائدہ پہنچائے) افادہ فرمایا ہے کہ: "عمرو بن ہارون کے بارے میں، ابن مہدی سے بھی روایت مختلف ہے۔ "میزان الاعتدال" میں ہے کہ ابن مہدی، احمد اور نسائی نے اسے متروک الحدیث کہا۔" صاحبِ میزان مزید فرماتے ہیں: "ابن حبان نے کہا کہ ابن مہدی، عمرو بن ہارون سے متعلق حسنِ ظن رکھتے تھے۔"

راوی کے حق میں ان تمام ترقیل و قال کے باوجود احمد بن حرب نے کہا، "میں نے اس نماز کو آزمایا کیا تو اسے فرمانِ رسالت کے عین مطابق پایا۔" ابراہیم بن علی دیبلی نے بھی بعینہٖ یہی بات کہی۔ حافظ منذری فرماتے ہیں: "ایسی جگہ اسناد سے قطع نظر، تجربہ پر اعتماد کیا جاتا ہے۔" امام حاکم نے ابو زکریا کا قول نقل کیا ہے کہ: "میں نے اس حدیث کو آزمایا اور اسے حق پایا۔" امام حاکم سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔

فائدہ(۸): بلاسند احادیث ذکر کرنے کی بحث

علما کی کتابوں میں کبھی حدیث کو بلاسند ذکر کرنے پر بھی اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور یہ ذکر محض اعتماد و ثقاہت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ امام ابو محمد عبد اللہ بن علی لخمی اندلسی (متوفی:۶۶۰ھ) نے اپنی کتاب "اقتباس الانوار و التماس الازہار" میں بیان کیا ہے: "حضور ﷺ کی وفات کے بعد امیر المومنین، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے اور گویا ہوئے: یا رسول اللہ! آپ پر ہمارے ماں باپ قربان! جنابِ الٰہی میں

آپ کی فضیلت اور مقام کا یہ عالم ہے کہ اللہ نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی جب کہ دیگر انبیا کو یہ شرف عطا نہ ہوا۔ بارگاہِ ایزدی میں آپ کے علو مرتبت کا حال یہ ہے کہ اللہ نے آپ کے غبارِ قدم کی قسم یاد فرمائی اور ارشاد فرمایا: "لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔"

اس حدیث کو امام محمد بن الحاج عبدری مالکی (متوفی: ۷۳۷ھ) نے "مدخل" میں ذکر کیا۔ پھر علامہ ابو العباس قصار نے "شرح البردہ" میں "اقتباس الانوار" سے اس حدیث کو نقل کیا۔ اسی طرح علامہ احمد قسطلانی (متوفی: ۹۱۱ھ) نے "مواہب لدنیہ" میں، امام شہاب الدین خفاجی (متوفی: ۱۰۶۹ھ) نے "نسیم الریاض" اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے (متوفی: ۱۰۵۲ھ) "مدارج النبوۃ" میں، آیتِ کریمہ "لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔" کے تحت، مذکورہ حدیث کا بیان کیا۔

"نسیم الریاض" کے باب اول، فصل رابع میں یہ عبارت درج ہے: "علما کے بقول شہر مکہ کی قسم، یہ آپ کی ذات اور عمر کی قسم سے کہیں زیادہ تعظیم و تکریم پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ حضرت عمر نے اپنے قول "اقسم بتراب قدمیک۔" سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ (متوفی: ۹۱۱ھ): "مناہل الشفا فی تخریج احادیث الشفاء" میں لکھتے ہیں: "میں نے اس حدیث کو کسی بھی کتاب میں نہیں پایا، سوائے "اقتباس الانوار" اور "مدخل" کے کہ ان کے مصنفین نے ایک لمبی حدیث کے ضمن میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ اور اس طرح کی حدیث کے لیے بس اتنی ہی سند کافی ہے۔ کیوں کہ یہ احکام سے متعلق نہیں ہے۔

فائدہ (۹): عدمِ صحت، حجیت کے منافی نہیں

محدثین کا یہ کہنا کہ "لا یصح فی هذا الباب شيء۔" یہ کسی حدیث کے احتجاج

وحجیت کے منافی نہیں۔ امام محمد بن محمد بن امیر الحاج حلبی نے "حلیہ شرح منیہ" میں وضو کے بعد اعضا کو رومال سے پوچھنے کے مسئلہ میں فرمایا: "امام ترمذی کا یہ کہنا کہ اس باب میں حضور سے کوئی صحیح حدیث مروی نہیں۔ یہ اس حدیث کے حسن ہونے کے منافی نہیں، کیوں کہ مطلوب اور مسئلہ کے ثبوت کا تحقق، صرف حدیثِ صحیح پر موقوف نہیں بلکہ صحیح کی طرح، حدیثِ حسن سے بھی مطلوب ثابت ہو جاتا ہے۔" اسی میں صفت نماز سے متعلق اخیر میں ہے: "اصطلاحِ حدیث کی رو سے صحت کی نفی سے حسن کے ثبوت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔" (یعنی صحت کی نفی، حسن کی نفی کو مستلزم نہیں۔)

امام ابن حجر مکی (متوفی: ۹۷۴ھ) "الصواعق المحرقہ" میں زیر بحث حدیث "التوسعة على العيال يوم العاشوراء" کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: "امام احمد کا قول کہ "یہ حدیث صحیح نہیں" اس کا مطلب ہے کہ وہ صحیح لذاتہٖ نہیں تو یہ اس حدیث کے حسن لغیرہٖ ہونے سے مانع نہیں اور حسن لغیرہٖ قابلِ حجت ہے جیسا کہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔"

امام ابن حجر عسقلانی (متوفی: ۸۵۲ھ) "تخریج احادیث اذکار نووی" میں بیان کرتے ہیں: "صحت کی نفی سے، حسن کی نفی لازم نہیں آتی۔" "نزہۃ النظر" میں ہے: "حسن کی یہ نوع (یعنی حسن لذاتہٖ) قابلِ حجت بننے میں صحیح کے مساوی ہے، اگرچہ مرتبہ کے لحاظ سے اس سے کم تر ہے۔"

"موضوعات کبیر" "از ملا علی قاری (متوفی: ۱۰۱۴ھ) میں یہ عبارت منقول ہے، "عدمِ صحت، حسن کے منافی نہیں۔" علامہ نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ "جواہر العقدین" میں لکھتے ہیں: "کبھی حدیث، صحیح نہیں ہوتی مگر قابلِ استدلال ہوتی ہے کیوں کہ صحیح اور ضعیف کے درمیان حسن، ایک مرتبۂ وسطیٰ پر فائز ہوتی ہے۔ امام ترمذی (متوفی: ۲۷۹ھ) نے حضرت جابر و انس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ حضور نے لوگوں کو کھڑے ہو کر جوتا پہننے سے منع فرمایا۔" اس کے بعد امام ترمذی کہتے ہیں:

"محدثین کے نزدیک دونوں حدیث، صحیح نہیں۔" امام زرقانی (متوفی:۱۱۲۲ھ) "شرح مواہب" میں تحریر فرماتے ہیں: "صحت کی نفی سے حدیث کے حسن ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جیسا کہ اصولِ حدیث کی کتابوں سے معلوم ہے۔"

بعض محدثین کا قول "انه لم یصح" اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ مقصد کے حصول میں حارج نہیں، اس لیے کہ حجیت، صحت پر موقوف نہیں بلکہ "حدیثِ حسن" بھی اس کے لیے کافی ہے کہ حسن سے حجیت ثابت ہو جاتی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (متوفی:۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں: "محدثین کے عرف میں حدیث پر عدم صحت کا حکم لگانا اس کی غرابت کو لازم نہیں کرتا، اس لیے کہ حدیثِ صحیح، یہ اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے جس کا دائرہ بہت تنگ ہے اور وہ تمام احادیث جو فن کی کتابوں میں مندرج ہیں یہاں تک کہ وہ چھ کتابیں جنھیں اصطلاحِ حدیث میں صحاحِ ستہ کہا جاتا ہے ان میں بھی تمام احادیث، صحیح نہیں صرف بطورِ غلبہ، انھیں "صحاح" کہا جاتا ہے۔"

فائدہ(۱۰): عدمِ صحت اور موضوع میں زمین و آسمان کا فرق

کسی حدیث کا صحیح نہ ہونا اور ہے اور اس کا موضوع ہونا اور، دونوں کے درمیان بعد المشرقین ہے۔ امام بدر الدین زرکشی، امام جلال الدین سیوطی، علامہ علی بن محمد کنانی اور علامہ محمد طاہر پٹنی نے، بالترتیب النکت علی ابن الصلاح، اللآلی المصنوعہ، تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ و خاتمہ مجمع البحار میں صراحت کی ہیں۔ عدم صحت (یعنی لم یصح کہنے) سے خبر کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا، ان کے مابین بون بعید ہے، اس لیے کہ وضع کا مطلب ہے راوی کے کذب اور ان کی حدیث کو من گھڑت بتانا اور "لم یصح" کا قول کرنے سے اثباتِ عدم یعنی حدیث کی نفی لازم نہیں آتی، کیوں کہ "لم یصح" کا معنی ہے عدم ثبوت کی خبر دینا جو کہ سلب ثبوت ہے لہٰذا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

اور "تنزیہ" میں اتنی عبارت کا اور اضافہ ہے: "ہر وہ حدیث جس کے متعلق ابن جوزی نے عدم صحت یا اس کے مثل کا قول کیا ہے اس میں بھی وہی تقریر جاری ہوگی کہ "لم یصح" سے حدیث کی موضوعیت، لازم نہیں آتی۔"

"القول المسدد فی الذب عن مسند احمد" میں امام ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: "حدیث کے صحیح نہ ہونے کے سبب وہ موضوع ہو جائے یہ کوئی ضروری نہیں۔"

"التعقبات علی الموضوعات" میں امام سیوطی نے ذکر کیا ہے، "امام ذہبی نے زیادہ سے زیادہ اتنا حکم لگایا کہ اس حدیث کا متن صحیح نہیں اور یہ ضعیف پر بھی صادق ہے۔

ملا علی قاری نے "موضوعاتِ کبیر" میں لکھا ہے: "عدم صحت سے حدیث کی موضوعیت، ثابت نہیں ہوتی۔" اسی طرح حدیث "عاشورا کے دن سرمہ لگانے" کی بحث کے بعد آپ تحریر فرماتے ہیں: "امام احمد کا قول "لم یصح ہذا الحدیث" کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس کے متعلق میں کہوں گا کہ عدم صحت سے وضع کا ثبوت نہیں ہوتا۔ ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث، ضعیف ہے۔" (لیکن موضوع کا قول نہیں کیا جا سکتا)

علامہ طاہر پٹنی "مجموعۂ تذکرۃ الموضوعات" میں ابن حجر عسقلانی سے نقل کرتے ہیں: "لا یثبت" سے موضوعیت، ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ ثابت، صرف صحیح کو شامل ہے اور ضعیف اس سے کم درجہ کی ہے۔

ملا علی قاری نے "موضوعات کبیر" کے اخیر میں حدیث پاک "کھانے سے قبل خربوزہ کھانا، پیٹ کی صفائی اور حتمی طور پر مرض سے رہائی کا سبب ہے" کے بعد لکھا ہے: "ابن عساکر کا قول "شاذ لا یصح" یعنی عدم صحت، اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ متعلقہ حدیث، موضوع نہیں جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔"

فائدہ(۱۱): حدیثِ خرقہ کی موضوعیت اور علما و صالحین کا اس پر عمل

اس مقام پر دو چار زینہ نیچے آکر علی سبیل التنزل ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ محدثین

کے الفاظِ جرح میں سے یہ قول "لا یصح فی ھذا الباب شئی" کا مطلب، حدیث کا موضوع اور باطل ہونا ہے۔ لیکن یہ حقیقت مخفی نہ رہے کہ موضوع ہونا یہ "عدم حدیث" ہے حدیثِ عدم نہیں اور "لم یصح" کا واضح مطلب یہ کہ "اس باب میں کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔" تو ایسے نازک مقام پر ضروری ہو جاتا ہے کہ قواعد شرعیہ کے ترازو پر اسے تولا جائے۔ اگر حرمت ثابت ہو جائے تو حدیث ممنوع قرار پائے گی ورنہ اباحت اصلیہ پر باقی رہے گی۔ اور ارادہ نیک ہو تو زیرِ بحث حدیث مستحسن ٹھہرے گی، جیسا کہ تمام مباح امور کی شان ہے۔ "الاشباہ والنظائر" کے قاعدہ اولی میں ہے: "جو امور مباح ہیں وہ قصد ونیت کے اعتبار سے باختلافِ صفت، مختلف ہو جاتے ہیں۔

سید احمد طحطاوی مصری (متوفیٰ: ۱۲۳۱ھ) "درِ مختار" کے حاشیہ میں ارقام فرماتے ہیں: "حدیث موضوع، جب قواعدِ شرعیہ کے معارض ہو تو کسی بھی حالت میں اس پر عمل جائز نہیں، ہاں! اگر وہ قاعدۂ عام کے تحت داخل ہو تو اس پر عمل جائز ہے، جواز عمل سے کوئی شے مانع نہیں، لیکن اس اعتبار سے نہیں کہ موضوع کو حدیث ٹھہرایا جائے بلکہ اس لیے کہ وہ قاعدۂ عام کے تحت داخل ہے۔"

علما نے تصریح کی ہے کہ حدیث موضوع کی وضعیت اور بطلان کو ظاہر کر دینے کے بعد اس کی روایت اور اس سے ثابت شدہ مباح امور پر عمل کرنا جائز ہے۔

علامہ سخاوی (متوفی: ۹۰۲ھ) نے "مقاصدِ حسنہ" میں "خرقۂ صوفیہ کے پہننے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے حسن بصری کو پہنائے جانے" سے متعلق حدیث کے بارے میں ارشاد فرمایا: "ابن دحیہ اور ابن صلاح نے اس حدیث کو باطل قرار دیا ہے، اسی طرح ہمارے شیخ ابن حجر عسقلانی نے کہا کہ کسی بھی طریقے سے اس واقعہ کے ثبوت کا پتہ نہیں چلتا اور نہ اس سلسلے میں کوئی صحیح، حسن یا ضعیف روایت موجود ہے، جس سے معلوم ہو سکے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی صحابی کو موجودہ خرقۂ صوفیہ پہنایا اور نہ کسی صحابی کو اس کی اجازت عطا فرمائی، تو وہ تمام روایات، جو اس تعلق سے صراحۃً مروی ہیں وہ

باطل ہیں۔ علاوہ ازیں ائمۂ حدیث کے نزدیک، علی مرتضیٰ سے حسن بصری کا سماع حدیث بھی ثابت نہیں، خرقہ پہنانا تو دور کی بات ہے۔ اس قول میں صرف ہمارے شیخ ہی منفرد نہیں بلکہ اس سے پہلے محدثین کی ایک جماعت اس کا قول کر چکی ہے۔

تو وہ اکابر علما اور بزرگانِ دین جنھوں نے خود خرقہ پہنا اور دوسروں کو پہنایا وہ یہ ہیں: دمیاطی، ذہبی، ہکاری، ابو حیان، علائی، مغلطائی، عراقی، ابن ملقن، امام ابناسی، برہان حلبی اور ابن ناصر الدین اور خود میں نے بھی اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے صوفیہ کی ایک جماعت کو خرقہ پہنایا، یہاں تک کہ خاص کعبہ معظمہ کے سامنے پہنایا تاکہ اولیاے کرام کے ذکر سے برکت حاصل کی جا سکے۔"

تو یہ علماے کرام اور فضلاے عظام خود خرقہ پہنتے اور دوسروں کو بھی پہناتے، باوجودیکہ انہیں اس بات کا علم تھا کہ خرقہ والی حدیث، موضوع و باطل ہے۔

شیخ امام احمد رضا قادری (اللہ ان کی برکتوں سے ہمیں فیض یاب کرے) رقم طراز ہیں: "حدیث خرقہ سے متعلق، محدثین کا رد وانکار اپنے مبلغ علمی کے باعث ہے اور وہ اس سلسلے میں معذور ہیں لیکن حق یہی ہے کہ حضرت مولا علی سے حسن بصری کا سماع ثابت ہے، محققین علما نے اس مسئلہ کو واضح کیا ہے۔ خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک مستقل رسالہ "اتحاف الفرقہ بوصل الخرقہ" کے نام سے تصنیف کیا ہے، اور اس میں صراحت فرمائی ہے: "محدثین کی ایک جماعت نے حضرت علی سے حسن بصری کے سماع کو ثابت مانا ہے اور میرے نزدیک بھی متعدد وجوہ سے یہی راجح ہے۔ نیز حافظ ضیاء الدین مقدسی نے "المختارہ" میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے "حاشیہ مختارہ" میں "مقدسی" کی پیروی کی ہے، پھر امام سیوطی نے مسئلہ کی ترجیح سے متعلق، دلائل کا ذکر کیا ہے، یہاں تک کہ امام ابن حجر کے توسط سے مسند ابی یعلی کی یہ حدیث ذکر کی ہے۔ "از جویریہ بن اشرف از عقبہ بن ابی صہبا باہلی از حسن بصری از علی رضی اللہ عنہم، میں نے حضور کو یہ کہتے سنا کہ میری امت کی مثال، بارش کے مانند ہے۔"

ہمارے شیخ محمد بن حسن بن صیرفی نے فرمایا: "اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حسن بصری کو علی مرتضیٰ سے سماع حاصل ہے، نیز اس حدیث کے تمام رُواۃ، ثقہ ہیں۔ ابن حبان نے "جویریہ" کو ثقہ راوی میں شمار کیا ہے۔ امام احمد اور یحییٰ ابن معین نے عقبہ کو ثقہ گردانا ہے اھ"

"گلاب سونگھ کر جس نے مجھ پر درود نہیں بھیجا اس نے مجھ پر ظلم کیا۔" اس کے متعلق، امام طاہر پٹنی (متوفی: ۹۸۶ھ) نے "مجموعۂ بحار الانوار" میں لکھا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے۔ اسی طرح سرخ گلاب کے سونگھنے سے متعلق حدیث کو، امام پٹنی نے کذب اور موضوع قرار دیا ہے۔

یہی امام موصوف فرماتے ہیں: "خوشبو لگاتے وقت حضور ﷺ پر درود پڑھنے سے متعلق میں نے اپنے شیخ متقی مکی قدس سرہ کو لکھا کہ اس بارے میں کوئی نص اور اصل موجود ہے یا نہیں؟ تو انھوں نے ہمارے شیخ ابن حجر کے حوالہ سے جواب دیا! "ایسے وقت یا اس سے مشابہ دیگر مواقع میں، نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے کی کوئی اصل نہیں۔ تاہم درود پڑھنے میں ہمارے نزدیک کوئی کراہت بھی نہیں۔" (تلخیص)

حضور ﷺ خوشبو سے محبت فرماتے اور کثرت سے عطر کا استعمال کرتے، تو جو شخص خوشبو لیتے یا سونگھتے وقت، حضور کی عظمت و رفعت اور استحقاقِ جلالت کو یاد کر کے آں حضور ﷺ پر درود بھیجے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، چہ جائیکہ حرمت کا قول کیا جائے، بلکہ یہ عمل تو بہت بڑا کارِ ثواب اور بزرگی کا باعث ہے۔ تو تمام امت پر حضور کا یہ حق ہے کہ جب وہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے آثار طیبہ یا اس پر دلالت کرنے والی کسی چیز کو دیکھے تو اس کے ساتھ تعظیم و توقیر کا معاملہ کرے اور نہایت ادب واحترام کی نگاہ سے اس کی زیارت کرے۔ عزت واکرام سے آثارِ نبوی کی زیارت اور اس پر کیف ماحول میں حضور پہ صلاۃ وسلام کا گلدستۂ عقیدت، یہ ایک ایسا عمل ہے جسے علما نے مستحب قرار دیا ہے۔

اور یہ امر، شکوک وشبہات سے بالاتر ہے کہ جس نے خوشبو سونگھتے وقت ایسا کیا تو ظاہراً نہ سہی باطنی طور پر، وہ حضور کے بعض آثارِ طیبہ کو دیکھ رہا ہے اور سر کی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ لہٰذا اس وقت ان کے لیے مسنون یہ ہے کہ بارگاہِ خیر الانام میں، زیادہ سے زیادہ درود وسلام کا نذرانہ پیش کرے۔

صبح و شام کے "اوراد و وظائف" سے متعلق احادیث ذکر کرنے کے بعد مصنف "فتح الملک المجید" ارقام فرماتے ہیں: "صوفیائے کرام کے مابین ستر ہزار بار لاالٰہ الا اللہ کا جو ذکر مقبول اور رائج ہے وہ انہیں اوراد واذکار کے مثل ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔ اربابِ تصوف بیان کرتے ہیں کہ اس تسبیح کے ورد سے اللہ تبارک وتعالیٰ ذاکر کو جہنم سے آزاد کر دے گا اور ذاکر اپنے آپ کو دوزخ سے بچالے گا۔ بزرگانِ دین، اس وظیفہ پر خود بھی ہمیشگی برتتے اور اپنے اہلِ خاندان اور مردہ بھائیوں کو بھی اس سے نفع پہنچاتے (ایصالِ ثواب کے ذریعہ)۔" امام یافعی اور عارف باللہ، محی الدین بن عربی رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی منقول ہے۔ ابن عربی نے اس عمل کی وصیت کی۔ صوفیائے کرام بیان کرتے ہیں کہ اس کے متعلق حدیث وارد ہے، لیکن بعض مشائخ نے کہا کہ میری معلومات کی حد تک اس سلسلے میں حضور سے کوئی نص وارد نہیں۔

حدیث: "من قال لا الٰہَ الّا اللہ سبعین الفاً فقد اشتریٰ نفسہ من اللہ"

اس بارے میں حافظ ابن حجر (متوفی: ۸۵۲ھ) سے سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ حدیث، موضوع اور باطل ہے۔ اس کی صحت، حسن اور ضعف کا قول نہیں کیا جا سکتا اھ۔

اسی طرح امام نجم غیطی نے مذکورہ روایت کو من گھڑت بتایا، تاہم اس کے بعد یہ صراحت بھی فرمائی کہ "صوفیائے کرام کی پیروی اور جن بزرگوں سے اس کی وصیت منقول ہے، ان کے افعال سے تبرک حاصل کرتے ہوئے، اس ورد کی پابندی بہتر اور مناسب ہے۔" (تلخیص)

امام غیطی کے نزدیک یہ روایت موضوع اور باطل ہے، مگر اس کے باوجود صوفیائے عظام کی اتباع وپیروی کا لحاظ کر کے آپ نے اس فعل کے بجالانے کا حکم دیا۔ یہ وہی علامہ نجم غیطی ہیں، جو شیخ الاسلام سیدی زکریا انصاری کے تلمیذ اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے بالواسطہ شاگرد ہیں۔ اسی طرح آپ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے سلسلۂ حدیث کے شیخ ہیں۔

ملا علی قاری (متوفی: ۱۰۱۴ھ) "موضوعاتِ کبیر" میں لکھتے ہیں: "اعضائے وضو دھوتے وقت، ذکر ودعا پر مشتمل تمام احادیث، باطل ہیں۔" بطلان کا قول کرنے کے بعد مزید فرماتے ہیں: "جان لو! کہ وضو کے اذکار، اگرچہ حضور سے ثابت نہیں، لیکن اس سے لازم نہیں آتا کہ یہ مکروہ یا بدعتِ سیئہ ہیں۔ علمائے کرام اور مشائخ عظام نے بوقتِ وضو، ہر عضو کی مناسبت سے، ان اذکار کو مستحب قرار دیا ہے۔"

فائدہ (۱۲): حدیث سے تین طرح کے امور ثابت ہوتے ہیں

عقائد، احکام، فضائل ومناقب

حدیث سے جو امور واحکام ثابت ہوتے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں:—

پہلی قسم: اسلامی عقائد: دینی عقائد کے اثبات کے لیے ضروری ہے کہ وہ حدیث متواتر یا پھر مشہور ہو، اخبارِ آحاد اگرچہ قوی ہوں اعتقادیات کے باب میں معتبر نہیں۔ "شرح عقائد نسفی" میں علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ (متوفی: ۷۹۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں: "اصولِ فقہ میں خبر واحد، اپنی تمام تر شرطوں کی جامع ہونے کے باوجود، صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے اور عقائد کے باب میں ظن وتخمین کا اعتبار نہیں۔" منح الروض الانف، از ملا علی قاری میں تصریح ہے کہ "خبر واحد، اعتقاد کے باب میں قابلِ حجت نہیں۔"

دوسری قسم: احکام: اس کے لیے حدیث کا صحیح لذاتہ یا صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ یا کم از کم حسن لغیرہ ہونا ضروری ہے۔ ثبوتِ احکام میں احادیثِ ضعیفہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

تیسری قسم: فضائل ومناقب: تو اس میں باتفاق علماء ضعیف احادیث بھی کافی ہیں۔

شیخ العارفین ابو طالب مکی علیہ الرحمہ "قوت القلوب" کی اکیسویں فصل میں ارشاد فرماتے ہیں: "فضائلِ اعمال اور مناقب اشخاص میں تمام احادیث، مقبول ہیں خواہ مرسل ہوں یا مقطوع (سوائے موضوع کے) اسے نہ معارض قرار دیا جائے گا اور نہ رد کیا جائے گا، یہی اسلاف کا طریقہ ہے۔"

امام نووی نے "اربعین" میں، ابن حجر نے "شرح مشکوۃ" میں اور ملا علی قاری نے "مرقاۃ" میں صراحت فرمائی ہے کہ "فضائل اعمال میں، حدیث ضعیف کے مقبول ہونے پر ائمۂ حدیث کا اتفاق ہے۔" حرز ثمین از ملا علی قاری میں ہے: "فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کرنا بالاتفاق، جائز ہے۔" اسی طرح "فتح المبین شرح اربعین" کے خطبہ میں مذکور ہے۔ "فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل جائز ہے اس لیے کہ اگر حدیث، نفس الامر میں صحیح ہو تو عامل نے عمل کر کے اس کا حق ادا کر دیا اور صحیح نہ ہو تو عمل کے باعث کوئی فساد، خلل، حرمت یا پھر دوسروں کے حق میں ضیاع لازم نہ آیا۔"

اسی طرح حدیثِ ضعیف: "من بلغه عني ثواب عمل ..." سے متعلق مصنف نے اپنے موقف کی تائید میں، اہلِ علم کا اجماع نقل کرتے ہوئے، مخالفین کی پرزور تردید فرمائی ہے۔

نماز میں سب سے زیادہ متقی وپرہیزگار شخص کی امامت اور انہیں مقدم رکھنے کے تحت "مقاصدِ حسنہ" میں کہا گیا ہے: "ابنِ عبد البر کے بقول، فضائلِ اعمال میں محدثین، تساہل یعنی شدت کے بجائے، سہولت کا برتاؤ کرتے ہیں۔"

"فتح القدیر" میں ہے: "فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا البتہ موضوع اس حکم سے خارج ہے۔" "مقدمۂ ابن صلاح و مقدمۂ جرجانی" کے مطابق: "فقہائے محدثین کے نزدیک اسانید ضعیفہ میں، تساہل جائز ہے کیوں کہ اس کا تعلق عقائد واحکام سے نہیں ہے۔"

امام احمد بن حنبل، ابن مہدی وعبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے، "حلال وحرام سے متعلق احادیث کی روایت میں، ہم شدت کا مظاہرہ کرتے ہیں، جب کہ فضائل اعمال میں تساہل اور نرمی اختیار کرتے ہیں۔"

فائدہ (۱۳): فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل مستحب ہے

فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل کرنا، مُستَحَب ہے۔ شیخ ابو زکریا

"کتاب الاذکار" میں لکھتے ہیں: "فقہا و محدثین وغیرہم فضائلِ اعمال اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف پر عمل کو مستحب قرار دیتے ہیں بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو۔"

"فتح القدیر" میں امام ابن ہمام نے "فضائل فی حمل الجنائز" سے کچھ پہلے، یہ صراحت فرمائی ہے: "خبر ضعیف سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ موضوع نہ ہو۔" علامہ حلبی (متوفی:۹۵۶ھ) "غنیۃ المستملی" میں سنن غسل کے تحت، رقم طراز ہیں: "غسل کے بعد رومال سے بدن پوچھنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ "حضور کے پاس کپڑے کا ایک ٹکڑا تھا جس سے آپ وضو کے بعد اعضاے وضو پوچھتے تھے۔" امام ترمذی نے اس حدیث کی روایت کی اور کہا کہ "یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن فضائل کے باب میں ضعیف پر عمل، جائز ہے۔"

ملا علی قاری نے "موضوعاتِ کبیر" میں "گردن پر مسح" سے متعلق، حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا: "فضائلِ اعمال میں ضعیف پر عمل کیا جائے گا۔ علما کا اس پر اتفاق ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے ائمہ نے گردن پر مسح کو مستحب یا سنت قرار دیا ہے۔"

امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ (متوفی:۹۱۱ھ) نے "طلوع الثریا باظہار ما کان خفیا۔" میں کہا کہ ابن صلاح (متوفی:۶۴۳ھ) نے عمل بالضعیف کو مستحب مانا ہے اور امام نووی (متوفی:۶۷۶ھ) نے اس سلسلے میں ابن صلاح کی پیروی کی ہے اس امر کی طرف نظر کرتے ہوئے کہ فضائل کے باب میں عمل بالحدیث میں نرمی برتی جاتی ہے۔

"انموذج العلوم" از محقق جلال الدین دوانی میں ہے: "فضائلِ اعمال سے متعلق اگر کوئی معتمد حدیث مل جائے اور اس میں حرمت و کراہت کا احتمال نہ ہو تو اس پر عمل، جائز و مستحب ہے کیوں کہ اس میں خطرے سے امان اور منفعت کی امید ہے۔"

سنن غسل میں رومال سے اعضاے وضو پوچھنے کے سلسلے میں "حلیہ شرح منیہ" میں مصرح ہے۔ "جمہور علما، اس بات کے قائل ہیں کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل، جائز ہے بشرطیکہ موضوع نہ ہو، ممانعت پر جب تک کوئی دلیل قائم نہ ہو اسے اباحتِ اصلیہ پر باقی رکھا جائے گا تو یہی قول زیادہ مناسب ہے۔"

فائدہ (۱۴): عمل بالضعیف کا احادیث سے ثبوت

احادیث سے ثابت ہے کہ فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل کیا جائے گا۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "جس شخص کے پاس فضیلت پر مبنی، اللہ عزوجل کا کوئی حکم پہنچا اور حصولِ ثواب کی نیت سے اس پر ایمان لاتے ہوئے عمل کیا تو اللہ انہیں اس کا ثواب عطا فرمائے گا، خواہ وہ حدیث، میری ہو یا نہ ہو۔"

ابن حبان نے اس حدیث کی روایت کی، ابو عمر بن عبد البر نے "کتاب العلم" میں ابو احمد بن عدی نے "کامل" میں اور دار قطنی (متوفی:۳۸۵ھ) نے ابن عمر سے اس کی تخریج کی، جس کی عبارت قدرے تغیر کے ساتھ اس طرح ہے: "اعطاہ اللہ ذالک الثواب وان لم یکن ما بلغہ حقا۔" اسی طرح امام احمد و ابن ماجہ اور عقیلی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ جس کے الفاظ یہ ہیں: "ماجاءکم عنی من خیر قُلتہ اولم اقلہ فانی اقولہ و ماجاءکم عنی من شرفانی لا اقول الشر۔"

ابن ماجہ (متوفی: ۲۷۳ھ) کی عبارت یہ ہے: "ما قیل من قول حسن فانا قُلتُہ" کہ جو اچھی بات بطورِ حدیث بیان کی جائے تو سمجھو اس کا قائل میں ہوں۔ عقیلی کے الفاظ یہ ہیں: "خذوا بہ حدثتُ بہ اولم احدث بہ۔" کہ اس پر عمل کرو چاہے وہ حدیث میری ہو یا نہ ہو۔

اس باب میں حضور کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی خبر منقول ہے۔ خلعی نے "فوائد" میں حمزہ بن عبد المجید سے روایت کی کہ "مجھے خواب میں حطیم کعبہ کے اندر اللہ کے رسول ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، میں نے کہا، یارسول اللہ! آپ پر ہمارے والدین قربان! مجھ تک آپ کی ایک حدیث پہنچی ہے اور وہ یہ ہے کہ "جو شخص فضیلت سے متعلق کوئی حدیث سنے اور ثواب کی نیت سے اس پر عمل کرے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے اس کا اجر عطا فرمائے گا خواہ وہ نفس الامر میں باطل ہی

کیوں نہ ہو۔ "یارسول اللہ! کیا واقعی آپ نے ایسا فرمایا ہے؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا: رب کعبہ کی قسم! یہ حدیث میری ہے اور اس کا قائل میں ہی ہوں۔"

طبرانی (متوفی: ۳۶۰ھ) وابو یعلی (متوفی: ۳۰۷ھ) نے ابو حمزہ سے روایت کی۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نے فرمایا: "جس شخص کے پاس فضیلت پر مبنی، اللہ تعالیٰ کا کوئی پیغام پہنچے اور وہ اس کی تصدیق نہ کرے تو وہ اس کے ثواب سے محروم رہے گا۔"

امام ابو عمر بن عبد البر نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: "محدثین عظام فضائلِ اعمال میں، سہولت کا برتاؤ کرتے ہیں اور عمل بالضعیف کو جائز سمجھتے ہیں۔ ہاں! وہ احادیث، احکام پر مشتمل ہوں تو اس میں چھان پھٹک اور شدت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔"

شیخ امام احمد رضا قدس سرہ، اس کے تحت رقم طراز ہیں: "ضعیف پر عمل، اس وقت جائز و مستحسن ہے جب کہ حدیث کا بطلان ظاہر نہ ہوا ہو، لیکن اگر اس کا بطلان اور موضوعیت ظاہر ہو جائے تو پھر رجا و امید کا کوئی معنی نہیں۔"

ہم کہتے ہیں کہ "ان لم یکن ما بلغہ حقا۔" اور اس کے مثل حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ وہ نفس الامر میں حق نہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ اس کا بطلان ظاہر ہونے کے باوجود، اس کی صحت تسلیم کی جائے اور اس پر عمل کیا جائے اور یہ بات بالکل واضح ہے، تو اسے یاد رکھو اور اس پر ثابت قدم رہو۔

فائدہ (۱۵): بابِ فضائل میں عمل بالضعیف کی عقلی دلیل

باب فضائل میں احادیث ضعیفہ کے قبول پر، عقل بھی دلالت کرتی ہے۔ اس لیے کہ سند میں کسی قسم کا نقص اور ضعف، اس کے بطلان بالجزم کی دلیل نہیں کہ زیادہ جھوٹ گو شخص؛ کبھی سچ بھی بول دیتا ہے تو راوی کے بہت زیادہ جھوٹا ہونے کے باوجود ممکن ہے کہ وہ اس حدیث کو حق و صحت کے ساتھ بیان کرے۔

امام ابو عمر تقی الدین شہرزوری (متوفی: ۶۴۳ھ) "مقدمہ" میں تحریر فرماتے ہیں: "جب محدثین کسی روایت کے متعلق عدم صحت کا قول کریں تو یہ اس بات کی قطعی

دلیل نہیں کہ وہ نفس الامر میں بھی کذب ہو۔ اس لیے کہ بعض اوقات حدیث غیر صحیح، امر خارج کے اعتبار سے سچ ہوا کرتی ہے، لہذا "لم یصح" کا مطلب متعلقہ حدیث کی سند کا ان شرطوں پر نہ ہونا مراد ہے، جو محدثین کے یہاں معتبر ہے۔ (نہ کہ نفسِ حدیث اور متنِ خبر کا)۔

"تقریب اور تدریب" میں ہے "جب حدیث کے ضعیف ہونے کا قول کیا جائے تو شرط مذکور پر، اس سند کا عدم صحت، مراد ہوتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث فی نفسہٖ خارج میں، من گھڑت اور جھوٹ ہے، اس امر کے جائز ہونے کی وجہ سے کہ جھوٹا راوی، متعلقہ حدیث میں سچا ہو۔

امام ابن ہمام "فتح القدیر" میں "مغرب سے قبل نمازِ نفل پڑھنے" سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: "حدیثِ حسن، صحیح وضعیف پر باعتبارِ سند صحت وضعف کا حکم لگانا محض ظن کی بنیاد پر ہے، لیکن امر واقعہ کے اعتبار سے جائز ہے کہ صحیح، غلط ہو اور ضعیف، صحیح ہو۔" اسی میں "عمامہ کے پیچ پر سجدہ کرنے" کے بیان میں ہے: "ضعیف کا یہ معنی نہیں کہ وہ نفس الامر میں باطل ہے، بلکہ اس کا مطلب ہے وہ محدثین کے متعین کردہ شرطوں کے مطابق نہیں، تو اس بات کا امکان موجود ہے کہ کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو اس کی صحت کو ثابت کر دے اور وہ نفس الامر میں صحیح ہو۔ نیز یہ قرینہ موجود ہو کہ ضعیف راوی نے اس متنِ خاص کو بطریقِ احسن، ادا کیا ہے، تو اس وقت، ضعف راوی کے باوجود اس پر صحت کا حکم لگایا جائے گا۔"

موضوعاتِ کبیر میں ہے: "محققین کا ماننا ہے کہ حدیث کا صحیح، حسن اور ضعیف ہونا، یہ صرف ظاہر کے اعتبار سے ہے ورنہ اس بات کا احتمال بہر حال موجود ہے کہ حدیث صحیح، موضوع یا پھر موضوع، مرتبۂ صحت پر فائز ہو۔ امام ابن حجر نے بھی ایسا ہی فرمایا۔"

فائدہ (۱۶): مقامِ احتیاط میں ضعاف، احکام میں بھی معتبر ہیں

موضعِ احتیاط میں حدیثِ ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائے گا۔ علامہ شہاب الدین خفاجی (متوفی: ۱۰۶۹ھ) "نسیم الریاض" کے خطبہ میں ارقام فرماتے ہیں: "احکامِ شرعیہ مثلاً حلال، حرام، بیع، نکاح و طلاق وغیرہ تو اس میں صرف حدیثِ صحیح یا

حسن پر عمل کیا جائے گا، (یعنی احکام کا اثبات، احادیثِ صحیحہ وحسنہ ہی سے ہوگا) البتہ موضعِ احتیاط میں، ضعیف پر بھی عمل کیا جائے گا۔ جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں کوئی ضعیف حدیث وارد ہو تو مستحب ہے کہ اس سے بچا جائے لیکن بچنا واجب نہیں۔"

"تدریب الراوی" از امام سیوطی میں ہے: "مقامِ احتیاط میں احکام میں بھی حدیثِ ضعیف پر عمل کیا جائے گا۔"

علامہ حلبی (متوفی: ۱۰۴۴ھ) "سنن صلاۃ" کی فصل میں تحریر کرتے ہیں:

"اصل یہی ہے کہ پانچوں نمازوں میں اذان واقامت کے درمیان اتصال مکروہ ہے۔" جیسا کہ امام ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے: "حضور ﷺ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان کے کلمات آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر ادا کرو، اور جب اقامت کہو تو سرعت سے الفاظِ تکبیر ادا کرو اور اذان واقامت کے درمیان اتنا وقفہ رکھو کہ لوگ کھانے پینے اور قضائے حاجت سے فارغ ہو سکیں، سوائے مغرب کے۔" (غنیہ)

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے تاہم اس قسم کے حکم میں ضعیف پر عمل کرنا جائز ہے۔

علامہ سیوطی نے "اللآلی" اور "التعقبات" میں امام دیلمی کی "مسندِ فردوس" سے، یہ حدیث نقل کی ہے: "میں نے اپنے والد سے یہ کہتے سنا کہ، ابو عمر محمد بن جعفر نیشاپوری نے بیان کیا کہ ایک دن میں نے حدیث من احتجم یوم الاربعاء..... کہ جو شخص بدھ اور سنیچر کے دن پچھنا لگوائے اور برص میں مبتلا ہو جائے تو وہ اپنے ہی آپ کو ملامت کرے، کے متعلق کہا کہ "یہ حدیث صحیح نہیں" اور چہار شنبہ کو فصد لگوایا، جس سے میں برص کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ ایک دن میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا اور اپنی حالتِ زار کی شکایت کی، تو آپ نے ارشاد فرمایا: "میری حدیث کو معمولی نہ سمجھو!" عرض کیا یا رسول اللہ! آئندہ میں اس فعل کے ارتکاب سے توبہ کرتا ہوں۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اللہ نے مجھے اس مرض سے عافیت دے دی ہے اور یہ بیماری مجھ سے دور ہو چکی ہے۔"

ابن عساکر (متوفی: ۵۷۱ھ) نے اپنی "تاریخ" میں ابو علی مہران بن ہارون رازی کے واسطے سے یہ حدیث تخریج فرمائی ہے: "میں نے ابو معین حسین ابن حسن طبری سے یہ کہتے سنا "میں نے سنیچر کے دن پچھنا لگوانے کا ارادہ کیا اور اپنے خادم سے کہا کہ حجام بلا لاؤ۔ جب غلام چلا گیا تو مجھے حضور کی وہ حدیث یاد آئی جس میں سنیچر یا بدھ کے دن پچھنا لگوانے پر، برص کے لاحق ہونے کا ذکر ہے۔ ابو معین کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث میں غور وفکر کیا اور کہا کہ اس حدیث کی سند تو ضعیف ہے۔ پھر غلام سے کہا کہ جاؤ اور حجام کو بلا لاؤ۔ حجام آیا اور میں نے پچھنا لگوایا جس سے مجھے برص لاحق ہو گیا۔ ایک روز خواب میں حضورِ اقدس ﷺ کی زیارت ہوئی اور اپنی حالت کا شکوہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: "میری حدیث میں خفت کا پہلو تلاش نہ کرو (یعنی اسے حقیر اور معمولی نہ سمجھو)۔" اس کے بعد میں نے نذر مانی کہ اگر اللہ، مجھ سے برص کی بیماری کو دور فرما دے تو آئندہ، حضور کی حدیث کو ہیچ نہیں سمجھوں گا، خواہ وہ صحیح ہو یا ضعیف، اس نذر کے بعد اللہ نے مجھ سے برص کو دور فرما دیا۔"

"نسیم الریاض" میں ہے: "ناخن تراشنا سنت ہے، لیکن بدھ کے دن کاٹنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے کہ اس سے برص کی بیماری ہوتی ہے۔" بیان کیا جاتا ہے کہ بعض علما نے بدھ کے دن ناخن کتروائے، انہیں منع کیا گیا، پر وہ نہ مانے اور کہا یہ حدیث ثابت نہیں، تو فوراً ہی وہ برص میں مبتلا ہو گئے۔ خواب میں حضور کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور انہوں نے آپ سے فریاد کی۔ حضور نے ارشاد فرمایا، کیا تم نے نہ سنا کہ بدھ کے روز اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے؟ وہ عرض گزار ہوئے کہ میرے نزدیک وہ حدیث صحیح نہ تھی تو حضور نے فرمایا، اس حدیث کا سن لینا ہی تمہارے لیے کافی تھا۔ پھر اپنا دستِ اقدس ان کے بدن پر پھیرا، جس سے وہ صحیح وسالم ہو گئے اور توبہ کی کہ آئندہ، حدیث کو معمولی نہیں سمجھوں گا۔

"حاشیہ درِ مختار" میں امام طحطاوی، تحریر فرماتے ہیں: "بعض آثار میں بدھ کے دن ناخن کاٹنے کی نہی وارد ہوئی ہے کیوں کہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔"

صاحب مدخل، امام ابن الحاج (متوفی: ۷۳۷ھ) کے بارے میں منقول ہے کہ

"انھوں نے چہار شنبہ کو ناخن تراشنے کا قصد کیا۔ جب انھیں ممانعت کی حدیث سنائی گئی تو اس ارادہ کو ترک کر دیا۔ پھر انہوں نے غور وخوض کے بعد یہ رائے قائم کی کہ ناخن تراشنا، یہ سنتِ ثابتہ ہے اور اس سے نہی کی روایت میرے نزدیک صحیح نہیں۔ لہٰذا انہوں نے ناخن کاٹ لیے جس سے وہ برص میں مبتلا ہو گئے۔ خواب میں حضور تشریف لائے اور فرمایا "کیا تم نے نہی کی روایت نہیں سنی؟" ابن الحاج عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! یہ روایت میرے نزدیک ثابت نہیں تو حضور نے فرمایا، اس حدیث کا سن لینا ہی تمہارے حق میں کافی تھا۔ پھر آپ نے دستِ اقدس، ان کے جسم پر پھیرا جس سے وہ مکمل طریقے سے شفایاب ہو گئے اور برص کی بیماری ختم ہو گئی۔" ابن الحاج فرماتے ہیں: "اس واقعے کے بعد میں نے اللہ سے توبہ کی اور عہد کیا کہ اب کبھی حضور کی سنی ہوئی حدیث کی مخالفت نہیں کروں گا۔"

علامہ حلبی، مکروہاتِ نماز کے اخیر میں "سترہ" سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں: "مستحب یہ ہے کہ سترہ، کسی ایک ابرو کے سامنے (داہنی یا بائیں) رکھا جائے، جیسا کہ امام ابو داؤد نے ضباعہ بنت مقداد بن اسود اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا "میں نے حضور کو ہمیشہ اس حالت میں پایا کہ جب آپ کسی لکڑی، ستون یا درخت کو آڑ بنا کر نماز پڑھتے تو اسے داہنی یا بائیں ابرو کے سامنے رکھتے بالکل سیدھا اس کی جانب رخ نہ فرماتے۔"

ولید ابن کامل اور ضباعہ کی مجہول ہونے کے سبب معلل قرار دیتے ہوئے محدثین نے اس روایت کو مجہول کہا ہے، لیکن اس فعل کا تعلق چوں کہ فضائلِ اعمال سے ہے، لہٰذا اس پر عمل جائز ہے۔ (ابو داؤد شریف)

اس کی نظیر "سنن ابی داؤد وابن ماجہ" کی وہ حدیث ہے جو محمد بن محمد بن حریث سے مروی ہے۔ محمد اپنے دادا حریث سے جو بنی عذرہ کے ایک فرد تھے روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کی کہ حضور نے حالتِ نماز میں سترہ کے متعلق ارشاد فرمایا کہ "اگر نمازی کے پاس کوئی لکڑی نہ ہو تو وہ خط (لکیر) کھینچ لے۔" ابو داؤد نے سفیان بن عیینہ کے حوالے سے ارشاد فرمایا، مجھے کوئی ایسی روایت نہ مل سکی جس سے مذکورہ حدیث کی تائید

ہو سکے، یہ صرف اسی سند سے مروی ہے۔ تاہم علما نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ حدیث باعتبارِ سند، ضعیف ہونے کے باوجود مقبول ہے، کیوں کہ یہ ایک ایسا حکم ہے جس میں نفع ہے، ضرر کا کوئی سوال ہی نہیں۔ "امام بیہقی فرماتے ہیں: "اس حدیث کی سند میں اگرچہ اضطراب ہے، تاہم اس قسم کے حکم پر عمل کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

"حلیہ" از حافظ ابو نعیم اصبہانی (متوفیٰ: ۴۳۰ھ) میں ہے: "امام بیہقی کا قول "ولا بأس بالعمل بهذا الحديث" سے ظاہر ہے کہ مذکورہ قول، اشبہ اور مذہب مختار ہے۔ اسی پر ہمارے شیخ نے بالجزم ارشاد فرمایا کہ سنت کی پیروی، اولیٰ ہے۔"

"تحفیہ" میں ہے: "جن لوگوں نے اس حدیث کے عمل پر جواز کا فتویٰ دیا ہے، ان کی مستدل، ابو داؤد کی حدیث ہے اور اس کی سند پر محدثین نے جو کلام کیا ہے اس کا ذکر ہو چکا بایں ہمہ کہا گیا ہے کہ فضائلِ اعمال میں اس نوعیت کی حدیث، مقبول ہے اور اس پر عمل جائز ہے، جیسا کہ ابھی گزرا۔ اسی وجہ سے امام ابن ہمام نے فرمایا: "السنة اولى بالاتباع۔"

"مراقی الفلاح" کے حاشیہ میں امام طحطاوی (متوفی: ۱۲۳۱ھ) ذکر کرتے ہیں: "علی سبیل التنزل یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حالتِ نماز میں، سترہ کے بجائے لکیر کھینچنے سے کوئی فائدہ نہیں، تو اس سے حصولِ مدعا میں کوئی ضرر اور فرق نہ پڑے گا، کیوں کہ اس نوعیت کا حکم، حدیثِ ضعیف سے بھی ثابت اور اس پر عمل جائز ہوتا ہے۔"

"فان لم يكن معه عصا فليخط خطا۔" کے مطابق خط کھینچنا، مسنون ہے، جیسا کہ امام محمد کی دوسری روایت ہے۔ بایں سبب کہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے، لیکن فضائلِ اعمال میں، معتبر اور معمول ہے، اسی وجہ سے امام ابن ہمام نے فرمایا: "السنة اولى بالاتباع اھ" (ردالمحتار)

فائدہ (۱۷): فضائلِ اعمال میں تمام احادیث معتبر ہیں، سوائے موضوع کے

"موضوع" کے علاوہ فضائل و مناقب میں تمام احادیث، معتبر ہیں۔ علامہ

زرقانی (متوفی: ۱۱۲۲ھ) "شرح مواہب" میں حضور ﷺ کی رضاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے حدیث "مناغاۃ القمر۔" یعنی چاند کے ساتھ حضور کے کھیلنے کے سلسلے میں رقم طراز ہیں: "محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ احکام وعقائد کے علاوہ دیگر امور میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔" علامہ حلبی (متوفی: ۱۰۴۴ھ) لکھتے ہیں: "اربابِ سِیَر، صحیح، سقیم، ضعیف، بلاغ، مرسل اور منقطع، ہر طرح کی احادیث، جمع کرتے ہیں البتہ موضوع سے گریز کرتے ہیں۔" (سیرۃ انسان العیون)

امام احمد سمیت، بہت سے ائمۂ حدیث سے منقول ہے: "حلال وحرام سے متعلق احادیث میں ہم شدت سے کام لیتے ہیں (یعنی حدیث کی اچھی طرح چھان بین کرتے ہیں) لیکن فضائل و مناقب میں تساہل یعنی نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔" یہی وجہ ہے کہ علما و محدثین "کلبی" سے روایت کرتے ہیں حالاں کہ وہ سخت ضعیف راوی ہے۔ جوزجانی وابن حبان نے اس کی تکذیب کی، امام بخاری نے یحیٰ وابن مہدی کے حوالے سے "کلبی" کو متروک بتایا۔ اسی طرح امام دار قطنی اور ایک جماعت نے اس کے "متروک الحدیث" ہونے کا قول کیا۔ حافظ نے "تقریب" میں کہا کہ "کلبی" ان لوگوں میں سے ہے جس پر محدثین نے، کذب اور رفض کا حکم لگایا ہے۔" مگر اس کے باوجود امام شعرانی (متوفی: ۹۷۳ھ) نے "میزان الشریعہ الکبریٰ" میں ابن عدی کے حوالے سے لکھا کہ سفیان وشعبہ اور ایک جماعت نے "کلبی" سے حدیث روایت کی۔ علما کی ایک جماعت نے "کلبی" پر تفسیر سے متعلق روایات میں اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے، لیکن حدیث میں کلبی کی روایات، ان کے نزدیک منا کر ہیں۔"

امام سید الناس، ارشاد فرماتے ہیں: "لوگوں کے انساب واحوال علیہم عرب اور ان کے عادات واطوار سے متعلق خبریں، بالعموم "کلبی" سے مروی ہیں اور علما نے اس سلسلے میں، ان کے اقوال کو تسلیم کیا ہے کیوں کہ اس کا تعلق احکام سے نہیں۔" (عیون الاثر)

اس معاملہ میں ضعیف رُواۃ سے روایت اور غیر احکام میں اس کے معتبر ہونے کی رخصت، جن ائمہ سے منقول ہے، ان میں امام احمد بن حنبل (متوفی: ۲۴۱ھ) بھی ہیں۔

فائدہ (۱۸): احادیث کو موضوعات میں ذکر کر دینا، یہ اس کے ضعف کا مقتضیٰ نہیں

حدیث کو موضوعات کی کتابوں میں ذکر کر دینا، یہ اس کے ضعف کو مستلزم نہیں کیوں کہ موضوعات کے سلسلے میں جو کتابیں تصنیف کی گئی ہیں اس کی دو قسمیں ہیں:-

پہلی قسم:- وہ ہے جس میں صرف موضوعات کے ذکر کا التزام کیا گیا ہے، مثلاً موضوعات ابن جوزی، اباطیل جوز قانی اور موضوعاتِ صغانی، تو ان کتابوں میں احادیث کو ذکر کرنا، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ حدیث، مصنف کے نزدیک موضوع ہے، جب تک کہ صراحۃً اس کی موضوعیت کی نفی نہ کردی جائے۔

تو اس سے عدم صحت، ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ اس حدیث کا ضعف، سقوط یا پھر بطلان ثابت ہو، بلکہ موضوعات میں ذکر کردہ بعض احادیث، "حسن" یہاں تک کہ "صحیح" بھی ہیں جیسا کہ علما نے اپنی تصانیف میں متنبہ کیا ہے۔ امام ابن صلاح نے "مقدّمہ" میں، امام نووی نے "تقریب" میں، امام عراقی نے "الفیہ" میں اور امام سخاوی نے "فتح المغیث" میں، علامہ سیوطی نے "تعقبات" "اللآلی المصنوعہ" "القول الحسن فی الذب عن السنن" اور "القول المسدد فی الذب عن مسند احمد" میں اس امر کی صراحت فرمائی ہے۔

دوسری قسم:- وہ ہے جس میں فقط موضوعات کے ذکر کا التزام نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس تصنیف کا مقصد، دوسروں کی طرف سے احادیث پر لگائے گئے حکم وضع کی تحقیق و تفتیش ہے، مثلاً امام سیوطی کی "اللآلی المصنوعہ" یا پھر غرض، نقد و نظر کے لیے ان احادیث کو جمع کرنا ہے جن پر محدثین نے وضع کا حکم لگایا ہے۔ جیسے امام سیوطی کی "ذیل اللآلی"۔ آپ "موضوعات کبریٰ" کے خطبہ میں رقم فرماتے ہیں: "احادیث کو موضوع قرار دینے میں ابن جوزی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور ضعیف بلکہ حسن، یہاں تک کہ صحیح

کو بھی دائرۂ حدیث سے نکال کر موضوع کے زمرے میں داخل کر دیا ہے، جیسا کہ ائمہ محدثین نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔" (خطبۂ موضوعاتِ کبریٰ)

آپ مزید لکھتے ہیں: "جب ہم نے تمام باتیں (یعنی موضوعاتِ ابن جوزی) کتاب میں ذکر کر دیں، تو اب اس پر زیادات کا ذکر کرتے ہیں تو ان احادیث میں بعض وہ ہیں جن کا موضوع ہونا قطعی اور یقینی ہے اور بعض پر کسی حافظ نے "وضع" کا حکم لگایا ہے لیکن مجھے اس میں تامل ہے۔ (اور وہ یہ ہے کہ موضوعات کی کتابوں میں محض احادیث کو ذکر کر دینا، اس سے متعلقہ روایات کی موضوعیت ثابت نہیں ہوتی)۔ تو میں اسے تحقیق و نظر کے لیے ذکر کروں گا۔" (خاتمۂ موضوعات کبریٰ)

اور دوسری قسم کی قبیل سے "موضوعاتِ شوکانی" بھی ہے، جس کا نام "قواعد مجموعہ" ہے، اس کے خطبہ میں صراحت ہے: "میں اس کتاب میں ایسی احادیث بھی لاؤں گا جسے موضوع کہنا ہرگز درست نہیں بلکہ وہ ضعیف ہیں یا اس میں ہلکا سا ضعف ہے یا پھر اصلاً ضعف ہے ہی نہیں، وہ تو اعلیٰ درجہ کی حدیث ہے۔" اس تنبیہ سے مقصود یہ ہے کہ بعض مصنفین نے بہت سی احادیث کو موضوع میں شمار کیا ہے مثلاً ابن جوزی کہ انہوں نے حدیثِ صحیح تک کو بھی موضوعات میں شمار کر دیا ہے، اور اس میں تساہل سے کام لیا ہے۔ جب صحیح کے بارے میں ان کا یہ رویہ ہے تو پھر "حسن" اور "ضعیف" کا شکوہ ہی فضول ہے۔ علامہ سیوطی نے ابن جوزی کا تعاقب کیا ہے، جو ضرورتِ مواد کے لحاظ سے کافی ہے اس لیے میں نے بھی ان کے تعقبات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

فائدہ (۱۹): محض ضعفِ رُواۃ کی بنیاد پر حدیث کو موضوع نہیں کہا جاسکتا

محض راوی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے حدیث کو موضوع نہیں کہا جاسکتا۔

حافظ سیف الدین ابو احمد بن ابی مجد اور امام فن، شمس الدین ذہبی (متوفی: ۷۴۸ھ) نے

اپنی "معجم" میں اور علامہ سیوطی نے "تعقبات" میں زیر نظر حدیث "جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے تو اس کے لیے دخولِ جنت سے کوئی شئ مانع نہیں، سوائے موت کے۔" آپ اس کے تحت لکھتے ہیں: "ابن جوزی نے "کتاب الموضوعات" لکھ کر بہت اچھا کیا کہ انھوں نے بہت سی ایسی روایات کی نشاندہی کی جو عقل و نقل کے خلاف تھیں، لیکن بعض متکلم فیہ راویوں سے مروی احادیث کو موضوع قرار دے کر اچھا نہیں کیا کہ جس روایت پر وضع کا حکم لگایا وہ نفس الامر میں اس طرح نہیں کہ عقل اس کے بطلان کی گواہی دے، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کی مخالف اور معارض بھی نہیں اور نہ اس کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل قائم ہے۔ بس انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ اس کے رُواۃ ایسے ویسے ہیں اس لیے حدیث، ضعیف ہے۔ یہ ظلم اور محض بے تکی بات ہے۔"

فائدہ (۲۰): غافل راوی جو غیر کی تلقین قبول کرلے اس کی حدیث موضوع نہیں

جو راوی غفلت کے سبب، دوسرے کی تلقین قبول کرے اس کی حدیث بھی موضوع نہیں۔ وجوہ طعن دس (۱۰) ہیں اور نقد و نظر میں بعض، بعض سے اشد ہیں۔ اسباب جرح میں سے پانچ کا تعلق عدالت سے اور پانچ کا ضبط سے ہے۔

(۱) کذب راوی (۲) تہمت کذب (۳) فحش غلط (۴) غفلت (۵) فسق (۶) وہم (۷) ثقہ راوی کی مخالفت (۸) جہالت (۹) بدعت (۱۰) سوئے حفظ انتہی۔ (نزہۃ النظر للامام ابن حجر عسقلانی)

اس کے باوجود علما تصریح فرماتے ہیں "غافل راوی، پر شدید قسم کا طعن ہی کیوں نہ کیا گیا ہو لیکن اس سے حدیث، موضوع نہ ہو گی۔ اسی طرح "یزید بن زیاد" کی تلقین کی جاتی اور وہ دوسرے کی تلقین قبول کرلیتا، تو میں کہتا ہوں کہ یہ فعل، حکم با وضع کا مقتضی نہیں۔" (التعقبات للامام السیوطی)

فائدہ (۲۱): حدیثِ منقطع، موضوع ہونے کو مستلزم نہیں

حدیث کا منقطع ہونا یہ اس کے موضوع ہونے کو مستلزم نہیں، امام ابن ہمام (متوفی ۸۶۱ھ) "فتح القدیر" میں ارشاد فرماتے ہیں "یہ حدیث ضعیف ہے سلسلۂ سند سے راوی کے ساقط ہو جانے کی وجہ سے، لیکن راوی کی عدالت و ثقاہت کے بعد منقطع، ہمارے نزدیک مرسل کی طرح ہے تو اس کے قبول میں کوئی حرج اور ضرر نہیں ہے۔"

دورانِ نماز، ثنا میں "جل ثناءک" کے اضافے پر کلام کرتے ہوئے امام ابن امیر الحاج (متوفی: ۸۷۹ھ) فرماتے ہیں: "یہ مضر نہیں کہ، ثقات سے روایت قبول کرنے میں حدیث منقطع، مرسل کی مانند ہے۔" (حلیہ)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ "حضور ﷺ اپنی بعض ازواج کو بوسہ لیتے اور وضو کے بغیر نماز پڑھ لیتے۔" اس حدیث کے تحت، ملا علی قاری قدس سرہ نے "مرقاۃ" میں لکھا ہے کہ "امام ابو داؤد نے اس حدیث کو مرسل کی ایک نوع یعنی منقطع قرار دیا اور مرسل، جمہور کے نزدیک قابل حجت ہے۔" اسی طرح حدیثِ پاک "جس نے رکوع میں تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہا گویا اس نے اپنا رکوع مکمل کر لیا۔" اس کے متعلق امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا گیا کہ اس کی سند، متصل نہیں یعنی یہ حدیث، منقطع ہے۔" (مرقات)

"منقطع سے استدلال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ فضائل اعمال میں منقطع پر عمل کرنا بالاجماع معتبر ہے۔" (ابن حجر عسقلانی)

نوٹ:۔ شاہ عبد الحق محدث دہلوی، حدیث منقطع، کی تعریف کرتے ہوئے "مقدمہ مشکوۃ" میں تحریر فرماتے ہیں۔ "سلسلۂ سند سے ایک یا اس سے زائد راوی، ساقط ہوں۔ امام ابن حجر عسقلانی "نزہۃ النظر، ص: ۵۱" پر رقم طراز ہیں۔ "منقطع وہ ہے جس میں پے در پے دو راوی ساقط نہ ہوں۔" از مترجم غفرلہ۔

فائدہ (۲۲): مضطرب اور منکر احادیث، موضوع نہیں

حدیث خواہ مضطرب ہو یا منکر، وہ موضوع نہیں ہوتی، امام سیوطی "تعقبات" میں فرماتے ہیں: "مضطرب اور منکر، ضعیف کی ایک قسم ہے لیکن موضوع نہیں ہے۔" ابن عدی نے صراحت کی ہے کہ "حدیث منکر، موضوع نہیں" منکر ضعیف کی ایک قسم ہے اور باب فضائل میں معتبر ہے۔ (ایضاً)

امام ذہبی نے اپنی "تاریخ" میں لکھا ہے "یہ حدیث، منکر ہے جو صرف "بشیر" سے مروی ہے اور وہ ضعیف راوی تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث، ضعیف ہے، موضوع نہیں۔" (ایضاً)

لباس کے متعلق حضرت ابو امامہ سے مروی ہے "اون کے لباس کو لازم پکڑو کہ اس سے اپنے دل میں ایمان کی حلاوت محسوس کرو گے۔" یہ ایک لمبی حدیث ہے جس کی سند میں ایک راوی "کدیمی" ہے جو وضاع یعنی حدیث گڑھنے والا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی (متوفی: ۴۵۸ھ) نے "شعب الایمان" میں کہا ہے کہ حدیث کا یہ ٹکڑا، اس سند کے علاوہ سے معروف ہے۔

اور "کدیمی" نے اس میں ایسی زیادتی کی ہے جو منکر ہے اور ممکن ہے کہ یہ کسی راوی کا کلام ہو اور بعد میں اسے حدیث سے ملا دیا گیا ہو۔ حاکم (متوفی: ۴۰۵ھ) نے "مستدرک" میں اس معروف جملہ کی تخریج کی ہے اور یہ لمبی حدیث، مدرج ہے موضوع نہیں۔" (التعقبات)

نوٹ:۔ **مضطرب:** وہ حدیث ہے جس کی روایت مختلف ہو کما فی الرسالۃ للجرجانی، اضطراب کبھی سند ہوتا ہے اور کبھی متن میں جیسا کہ "شرح نخبہ" ص: ۶۴ میں ہے۔

منکر: کہتے ہیں جس کے راوی، روایت میں سنگین غلطی کرتا ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو یا بہت غفلت کرتا ہو۔

مدرج: وہ حدیث ہے جس میں راوی اپنا یا کسی صحابی و تابعی کا کلام، متن حدیث کے درمیان کسی فائدہ کے تحت لے آئے۔ مدرج کی دو قسمیں ہیں:۔ مدرج المتن اور مدرج الاسناد۔ مدرج المتن کی تعریف اوپر مذکور ہوئی اور مدرج الاسناد یہ ہے کہ سند حدیث میں تغییر کی وجہ سے ثقہ راوی کی مخالفت ہو جائے جیسا کہ "نزہۃ النظر" ص:۶۱ر میں ہے۔ از مترجم عفی عنہ۔

فائدہ (۲۳): منکر راوی کی روایت موضوع نہیں

منکر الحدیث کی روایت بھی موضوع نہیں یعنی جو راوی حدیث میں سنگین غلطی کرتا ہو یا غفلت سے کام لیتا ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو اس کی روایت کردہ حدیث، موضوع نہیں ہوتی، اگرچہ امام بخاری نے اس پر جرح کیا ہو۔ امام بخاری فرماتے ہیں: "جس شخص سے متعلق میں "منکر الحدیث" ہونے کا قول کروں ان سے روایت جائز نہیں جیسا کہ ابن حبان سے منقول ہے۔" اسے علامہ ذہبی نے "میزان الاعتدال" میں ذکر کیا ہے۔

سلیمان بن داؤد یمانی سے مروی ہے کہ امام بخاری نے فرمایا "میں جس کے متعلق "منکر الحدیث" ہونے کا قول کروں ان کی روایت جائز نہیں۔" تاہم علما صراحت فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث، موضوع نہیں۔ (میزان الاعتدال)

امام بخاری نے فرمایا "منکر الحدیث" کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ اس کی حدیث، ضعیف ہے۔ (التعقبات باب فضائل القرآن)

فائدہ (۲۴): حدیث متروک موضوع نہیں

حدیث متروک بھی موضوع نہیں، اگرچہ متروک، تمام احادیث میں سب سے زیادہ ضعیف ہے۔ متروک اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند میں کوئی متہم بالوضع راوی ہو۔

جرح کے الفاظ یہ ہیں (۱) دجال (۲) کذاب (۳) وضاع الحدیث (۴) متہم بالکذب (۵) متفق علی الترک (۶) متروک (میزان الاعتدال)

"تقریب التہذیب" میں ہے کہ الفاظ جرح میں دسواں درجہ یہ ہے۔ "تضعیف کے ساتھ حتمی طور پر جن کی توثیق نہ کی گئی ہو باوجودیکہ یہ ضعف، صحت حدیث میں مخل اور مانع نہیں۔" لفظ "متروک" "متروک الحدیث" "واہی الحدیث" یا "ساقط" سے اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ گیارہواں "متہم بالکذب" بارہواں "متصف بالکذب والوضع۔"

مگر اس کے باوجود علما نے تصریح فرمائی ہے کہ "حدیث متروک، صرف ضعیف ہے موضوع نہیں۔"

امام ابن حجر نے "اطراف عشرۃ" میں امام سیوطی نے "اللآلی المصنوعۃ" میں توحید کے باب میں ابن عدی سے مروی حدیث "اللہ عزوجل نے آدم کی پیدائش سے قبل، طٰہٰ و یٰسین کی تلاوت فرمائی۔" ابن حبان نے اس "متن" کو موضوع قرار دیا اور ابن جوزی نے ان کی اتباع کی۔ جب کہ معاملہ ایسا نہیں۔ کیوں کہ راوی، اکثر محدثین کے نزدیک متروک اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے تو گویا اس کی طرف وضع کی نسبت ہی نہ ہوئی۔

ابن عدی سے مروی ہے کہ "اس ذات کی قسم! جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیا پر عربی میں وحی نازل فرمائی" اس حدیث کے متعلق امام بدر الدین زرکشی نے "النکت علی ابن الصلاح" اور امام سیوطی نے "اللآلی" میں تحریر فرمایا "لم یصح اور موضوع کے درمیان، زمین وآسمان کا فرق ہے۔"

سلیمان بن ارقم اگرچہ متروک راوی ہے تاہم وہ متہم بالکذب یا متہم بالوضع نہیں۔"

ابن شاہین سے مروی ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے طور کے دن گفتگو فرمائی تو یہ کلام اس کلام کی طرح نہ تھا جو ان سے ندا کے وقت کیا تھا۔" امام سیوطی کا یہ تبصرہ ملاحظہ کریں۔ "اس حدیث پر وضع کا حکم لگانا محل نظر ہے، اس لیے کہ فضل "متہم بالکذب نہیں۔" (اللآلی المصنوعۃ)

تعقبات میں ہے: "اصبغ شعیی متروک عند النسائی" (اصبغ متروک اور شیعہ راوی ہے، امام نسائی کے نزدیک) تو امام ذہبی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے لیکن موضوع نہیں، امام بیہقی نے بھی یہی فرمایا۔

اسی میں ابوامامہ سے مروی حدیث کے تحت ہے۔ "جو شخص شام کے وقت صلی اللہ علی نوح اللہ (یعنی سلام علی نوح فی العلمین پڑھے) وہ اس رات بچھو کے کاٹنے سے محفوظ رہے گا۔" بشر، مطعون بالکذب نہیں۔ (لہٰذا یہ روایت، موضوع نہیں) ۔اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کہ "اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا" اس کے تحت "تعقبات" از امام سیوطی میں ہے: "مسلمہ اگرچہ ضعیف ہے تاہم متہم بالکذب نہیں۔"

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے "تین چیزیں لوٹائی نہیں جائیں گی" اس کے متعلق علامہ سیوطی ارقام فرماتے ہیں۔ "ان کے راوی، مطعون بالکذب نہیں۔" لہٰذا حدیث ضعیف ہے لیکن موضوع کا قول نہیں کیا جاسکتا۔ (ایضاً)

لیکن علامہ ابن جوزی (متوفی: ۵۹۷ھ) نے مذکورہ تمام احادیث کو ان کے رُواۃ کی طرف نظر کرتے ہوئے معلل بتایا اور متروک کا قول کیا۔

نوٹ:— قرائن سے اس بات کا علم ہو جائے کہ راوی، مرسل یا منقطع کو موصول قرار دیتا ہے یا ایک حدیث کو دوسری حدیث میں داخل کر دیتا ہے یا اس کے علاوہ دیگر اشیاءِ قادحہ کا پتہ چل جائے تو راوی کی وہ حدیث، معلل ہے۔ از مترجم غفرلہ۔

فائدہ(۲۵): مجہول راوی کی حدیث صرف ضعیف ہے موضوع نہیں

"مجہول راوی کی حدیث، موضوع نہیں" راوی کی جہالت کی بنیاد پر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیث، ضعیف ہے۔

علما کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا راوی کی جہالت، صحت حدیث اور اس کی حجیت سے مانع ہے یا نہیں؟

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مجہول کی تین قسمیں ہیں:—

پہلی قسم: مستور: ہے، کہ ان کی ظاہری عدالت، معلوم اور باطنی کیفیت، مجہول ہو۔ صحیح مسلم شریف میں ان صفات سے متصف راویوں کی تعداد، کثیر ہے۔

دوسری قسم: مجہول العین: کہ جن سے صرف ایک فرد نے روایت کی ہو۔ یہی قسم محل نزاع اور موضع اختلاف ہے۔ بعض محدثین نے صرف ایک ثقہ راوی کی وجہ سے جہالت کی نفی کی ہے یا اس شرط کے ساتھ نفی کی ہے کہ وہ اپنے نزدیک عادل سے روایت کرتا ہے۔ مثلاً: یحییٰ بن سعید قطان، عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام احمد اپنی "مسند" میں اور یہاں اور بھی بہت سے اقوال ہیں۔

تیسری قسم: مجہول الحال: کہ ان کی ظاہری و باطنی عدالت، معلوم اور ثابت نہ ہو۔

بعض اوقات "مستور الحال" راوی پر بھی "مجہول الحال" کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

تو قسم اول یعنی مستور، یہ جمہور محققین کے نزدیک مقبول اور معتبر ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ (متوفی: ۱۵۰ھ) کا بھی یہی مذہب ہے، جیسا کہ "فتح المغیث" میں ہے کہ "امام اعظم رضی اللہ عنہ نے مستور الحال راوی کی حدیث کو قبول کیا ہے۔ البتہ امام شافعی رضی اللہ عنہ (متوفی: ۲۰۴ھ) کا اس میں اختلاف ہے۔"

امام نووی (متوفی: ۶۷۳ھ) نے فرمایا کہ "یہی صحیح ہے۔" یعنی مستور الحال کی روایت کا قابل قبول ہونا صحیح و درست ہے۔ (شرح المہذب)

امام ابو عمرو بن صلاح (متوفی ۶۴۳ھ) نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا ہے، جیسا کہ آپ کے "مقدمہ" میں ہے:

"حدیث کی بہت سی مشہور کتابوں میں اس رائے پر عمل ہے کہ جن میں بہت سے ایسے راویوں کی احادیث موجود ہوں، جن کا تعلق، عہدِ قدیم سے ہے اور ان کی باطنی کیفیات کا علم، متعذر اور دشوار ہے۔" (مقدمہ ابن صلاح)

امام زین الدین عراقی "الفیہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"مجہول راوی کی تین قسمیں ہیں۔ اور ان کے رد و قبول میں علما کا اختلاف ہے۔"

پہلی قسم: مجہولِ عین ہے کہ جس کو فقط ایک راوی نے روایت کیا ہو۔ اکثر محدثین نے اس کو رد کر دیا ہے۔

دوسری قسم: مجہول الحال کہ جس راوی کی ظاہری و باطنی کیفیت، پردۂ خفا میں ہو (یعنی عدالت ثابت نہ ہو) جمہور علما کے نزدیک یہ قسم، مردود اور نا قابلِ قبول ہے۔

تیسری قسم: مجہول بمعنی مستور، کہ ان کی باطنی عدالت معلوم نہ ہو۔ بعض محققین، اسے قابلِ حجت تسلیم کرتے ہیں، جب کہ بعض، عدمِ اعتماد اور نا قابلِ استدلال ہونے کے قائل ہیں۔ قائلین میں امام سُلیم بھی ہیں جنھوں نے قطعی طور پر قبول کیا ہے۔ "تقریبِ نووی" اور "تدریب الراوی" وغیرہ میں بھی ایسا ہی ہے۔"

بلکہ امام نووی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ مجہول العین، اکثر محققین کے نزدیک، قابلِ قبول ہے۔ چناں چہ آپ "مقدمۂ منہاج" میں لکھتے ہیں:

"مجہول کی تین قسمیں ہیں:—

اول: وہ مجہول راوی، جن کی ظاہری و باطنی عدالت مخفی ہو۔ دوم: جن کا ظاہر معلوم ہو لیکن باطنی کیفیت، پوشیدہ ہو۔ انہیں مستور الحال کہتے ہیں۔ سوم: مجہول العین۔"

رہی پہلی قسم، تو جمہور کے نزدیک نا قابلِ حجت ہے، جب کہ آخر کی دونوں قسمیں، اکثر محققین کے نزدیک، لائقِ استدلال ہیں۔

عارف باللہ، امام ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "بعض وہ امور ہیں جن کے سبب راویوں کو ضعیف قرار دیتے ہوئے، ان کی مرویات کو معلل اور غیر صحیح کہہ دیا جاتا ہے، لیکن علما و فقہا کے نزدیک یہ تعلیل اور جرح، مقبول نہیں، مثلاً راوی کا مجہول ہونا اور وجہِ جہالت ظاہر ہے کہ وہ خلوت پسند ہو، کیوں کہ شریعتِ مطہرہ نے اس امر کی ترغیب دی ہے یا پھر ان کے شاگردوں کی تعداد کم تھی کہ لوگوں کو ان سے روایت کا اتفاق نہ ہوا۔" (قوت القلوب)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شبِ برأت کے فضائل سے متعلق رقم طراز ہیں:

"بعض راویوں کی جہالت، موضوعیت حدیث کی متقاضی نہیں۔ اسی طرح نکارت اور مبہم الفاظ کے سلسلے میں مناسب یہی ہے کہ متعلقہ روایت پر ضعف کا حکم لگایا جائے اور فضائلِ اعمال میں اس پر عمل کیا جائے۔"

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے "اس حدیث میں مجہول رُواۃ ہیں۔ لیکن اس میں کوئی حرج اور مضایقہ نہیں، کیوں کہ اس کا تعلق فضائلِ اعمال سے ہے۔" (مرقات)

"موضوعاتِ کبیر" میں امام زین الدین عراقی کے حوالہ سے لکھا ہے "یہ روایت موضوع نہیں، اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے۔" (یعنی راوی کے مجہول ہونے سے حدیث، موضوع نہیں ہوتی ہے۔)

امام بدر الدین زرکشی و امام جلال الدین سیوطی نے "اللآلی المصنوعہ" میں تحریر فرمایا ہے: "اگر راوی کی جہالت ثابت بھی ہو جائے تو اس سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا، جب کہ راوی کے متعلق یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ متہم بالوضع ہے۔"

نیز یہی دونوں بزرگ مزید فرماتے ہیں: "راوی کی کیفیت مجہول ہے، تو اس سے حدیث کا موضوع ہونا کوئی ضروری نہیں۔" (تخریج احادیث الرافعی واللآلی)

"جو شخص عشا کے آخری حصہ میں، لغو شعر کہے، اس کی اس رات کی نماز مقبول نہ ہوگی۔"

ابن جوزی نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے: "اس حدیث کا ایک راوی مجہول اور دوسرا مضطرب ہے۔" (کتاب الموضوعات)

اس پر امام سیوطی فرماتے ہیں: "ابن جوزی نے جو کچھ کہا ہے ان کا یہ قول، وضع کا مقتضی نہیں۔"

حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سلسلۂ نکاح میں حضرت انس

رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے اس سے متعلق ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اس کا کذب ہونا مسلم نہیں، ہاں! اس کی سند میں جہالت ہے جس کی وجہ سے حدیث، غریب ہے۔" (الصواعق المحرقہ)

حضور کی والدۂ محترمہ کی وفات اور آپ کے والدین سے متعلق امام زرقانی (متوفی:۱۱۲۲ھ) فرماتے ہیں: "سہیلی کے بقول، اس کی سند میں بہت سے مجہول راوی جمع ہیں اور یہ جہالت، صرف ضعفِ حدیث کا افادہ کرتی ہے۔ ابن کثیر نے کہا! یہ حدیث، منکر ہے اور اس کی سند، مجہول ہے۔ اور یہ بھی (یعنی ابن کثیر کا قول) اس بات کی صریح دلیل ہے کہ مذکورہ روایت، فقط ضعیف ہے۔" (شرح مواہب)

حدیث منکر، ضعیف کی ایک قسم ہے، یہی وجہ ہے کہ امام سیوطی نے ابن عساکر کا قول کہ "یہ حدیث، منکر ہے" پیش کرنے کے بعد فرمایا: "یہ ہمارے دعویٰ کی دلیل ہے جو میں نے کہا کہ مذکورہ حدیث، ضعیف ہے، موضوع نہیں۔ کیوں کہ منکر، ضعیف کی ایک قسم ہے۔"

ضعیف اور موضوع میں جو فرق و امتیاز ہے وہ اصولِ حدیث کی کتابوں میں معروف و مذکور ہے۔

منکر: اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا راوی ضعیف ہو اور وہ روایت میں منفرد اور ثقہ راویوں کے خلاف ہو۔ اگر یہ کمزوری ختم ہو جائے تو وہ حدیث، صرف ضعیف ہو گی اور اس کا مرتبہ، منکر سے اونچا اور باعتبارِ حال بہتر ہے۔

نوٹ:۔ غریب: وہ حدیث ہے جس کی سند میں کسی جگہ بھی راوی، اس روایت میں منفرد ہو یا جس کا راوی ہر دور میں صرف ایک ہو جیسا کہ "مقدمۂ مشکوٰۃ" میں مذکور ہے اور مطعون بالکذب کی حدیث کو "موضوع" کہتے ہیں۔ ضعیف کی تعریف شروع میں گزر چکی۔ (از: مترجم عفی عنہ)

فائدہ (۲۶): حدیثِ مبہم، وضع کو مستلزم نہیں

حدیثِ مبہم، موضوع نہیں۔ ابنِ حجر عسقلانی نے "قوۃ الحجاج" اور امام سیوطی نے "اللآلی" میں صراحت فرمائی ہے: "اگر راوی کے نام کی صراحت نہ ہو تو محض اس بنیاد پر موضوعیتِ حدیث کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ بقول محدثین، تعددِ طرق سے حدیثِ مبہم کی بھی تلافی ہو جایا کرتی ہے۔"

"اچھے لوگوں کے پاس خیر تلاش کرو۔" اس حدیث کو عقیلی نے یزید ابن ہارون سے روایت کیا۔ ابن ہارون فرماتے ہیں کہ مجھے قریش کے ایک بزرگ نے خبر دی، وہ امام زہری سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ ابن جوزی نے اس روایت پر متعدد طریقوں سے کلام کیا ہے۔

اولاً:۔ سلسلۂ سند میں ایک راوی کا نام، مذکور نہیں۔ (یعنی راوی مجہول ہے)۔

ثانیاً:۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر ملیکی متروک الحدیث ہے۔

ثالثاً:۔ حکم بن عبداللہ کی احادیث، موضوع ہیں۔

ان عبارتوں کو نقل کرنے کے بعد امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "عبدالرحمٰن ملیکی مطعون بالکذب نہیں۔ نیز وہ اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ اسماعیل بن عیاش نے ان کی متابعت کی ہے، جس سے مذکورہ روایت کی تقویت اور ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے۔" (تخلیص التعقبات)

فائدہ (۲۷): تعددِ طرق سے حدیثِ مجہول و مبہم، حسن ہو جاتی ہے

حدیثِ مجہول اور مبہم، تعددِ طرق سے حسن ہو جاتی ہے اور جابر و منجبر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں خاتم الحفاظ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہو چکا۔ لیث امام مجاہد سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضور

ﷺ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں: "جس آدمی کے تین لڑکے ہوں اور وہ ان میں سے کسی کا بھی نام محمد نہ رکھے تو وہ جاہل ہے۔"

امام ابن جوزی، اس روایت پر کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں "امام احمد وغیرہ نے "لیث" کو متروک الحدیث اور ابن حبان نے "مختلط" کا قول کیا ہے۔"

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ "مسند حارث سے مرسلاً، اس حدیث کی شاہد موجود ہے، جسے نضر بن شفئی نے روایت کیا ہے۔" آپ مزید فرماتے ہیں "ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث، اس مرسل کی تائید کرتے ہوئے اسے مقبول کی حد میں داخل کر دیتی ہے۔"

حدیثِ پاک "ابنوا المساجد واخرجوا القمامة" مسجدوں کی تعمیر کرو اور اس سے کوڑا کرکٹ دور کرو۔

زیرِ نظر حدیث پر، امام مناوی "تیسیر" میں ارقام فرماتے ہیں "اس کی سند میں جہالت ہے اور اس کے راوی مجہول ہیں، لیکن دوسری روایت سے تائید ہو جانے کی وجہ سے یہ حدیث، حسن ہے۔"

نوٹ:۔ **مجہول:** اس راوی کو کہتے ہیں جس کی ذات اور شخصیت کا پتہ نہ چلے یا ذات تو معلوم ہو لیکن اس کی صفت کہ آیا وہ عادل ہے یا غیر عادل، اس کا پتہ نہ ہو۔
مبہم: جس حدیث کے راوی کے نام کی صراحت نہ کی جائے۔ (از: مترجم غفرلہ)

فائدہ (۲۸): وضع کا حکم سند پر لگتا ہے، متن پر نہیں

حدیث باعتبارِ سند، موضوع ہوتی ہے اور موضوعیت کا حکم متن پر نہیں لگتا۔
نافع سے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ وہ ابراہیم بن موسیٰ مروزی نے مالک سے روایت کیا اور نے فرمایا "طلب العلم فريضة"۔ کہ علم سیکھنا فرض ہے
امام ذہبی (متوفی: ۷۴۸ھ) تحریر کرتے ہیں "امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے اس سند سے مذکورہ حدیث کو کذب اور غلط قرار دیا لیکن جہاں تک، متنِ حدیث کا تعلق ہے تو

اس میں کسی طرح کا کلام نہیں کہ متعدد اسانید سے، متن ثابت ہے۔" (میزان الاعتدال)

"صلوة بسواک خير من سبعين صلوة بغير سواک۔"

مسواک سے وضو کر کے جو نماز پڑھی جائے وہ اس ستر نماز سے بہتر ہے جو بغیر مسواک کیے پڑھی جائے۔" (التمہید از امام ابو عمرو بن عبد البر)

اس حدیث کے متعلق امام سخاوی (متوفی: ۹۰۲ھ) "مقاصدِ حسنہ" میں لکھتے ہیں، "ابنِ معین سے مروی اس روایت کو ابن عبد البر نے "تمہید" میں باطل قرار دیا ہے اور یہ بطلان، باعتبارِ سند ہے۔"

"ایک شخص، حضور کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا! "میری بیوی کسی بھی چھونے والے کے ہاتھ کو منع نہیں کرتی، تو حضور نے فرمایا، اسے طلاق دے دے۔ اس نے عرض کیا، میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا، پھر اس سے منفعت حاصل کر۔"

امام احمد (متوفی: ۲۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں اور نہ حضورِ اقدس ﷺ سے ایسا ثابت ہے۔ ابن جوزی نے امام موصوف کی پیروی کی اور اس روایت کو موضوع اور من گھڑت بتایا۔

امام سیوطی قدس سرہ، مذکورہ حدیث کی تصحیح کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں: "ابن جوزی نے اس حدیث کو جو موضوعات میں شمار کیا ہے، یہ چنداں لائق التفات نہیں، انھوں نے ابو زبیر عن جابر کے حوالے سے "خلال" کی تخریج کردہ طریق سند ہی کو ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے اور اس کی دیگر سندوں کو بیان نہیں کیا اور خلال نے امام احمد سے جو روایت نقل کی ہے، محض اسی پر اعتماد کر کے اس حدیث کے بطلان کا قول کر دیا، تو یہ ابن جوزی کی قلتِ مطالعہ اور کمالِ تقلید کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ انھوں نے اپنے امام سے منقول روایت پر بھروسہ کر کے حدیث کو موضوع کہہ دیا۔ اگر ان کے امام کے سامنے متعلقہ حدیث کے طرق اور تعددِ اسناد، بیان کیے جاتے تو وہ حدیث کی حقانیت اور اصل کا اعتراف

کیے بغیر نہ رہتے۔ لیکن قائل نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ طرق حدیث، ان تک موصول نہ ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حدیث، اُن کی مُسند میں موجود نہیں اور نہ ہی ان روایات میں جو ان سے مروی ہیں، نہ ابن عباس کی سند سے اور نہ ہی حضرت جابر (رضی اللہ عنہما) کی سند سے، سوائے اس سند کے جس کے متعلق "خلال" نے سوال کیا تھا اور امام احمد اس جواب میں معذور ہیں، کیوں کہ آپ کا جواب خاص اسی سند کے اعتبار سے ہے۔ (اللآلی المصنوعۃ)

فائدہ (۲۹): وجوہِ طعن کی کثرت حدیث کو موضوع نہیں بناتی

وجوہِ طعن اور اسبابِ جرح کے تعدد سے بھی حدیث، موضوع نہیں ہوتی۔

حدیثِ قدسی ہے: "انا بلغ عبدی......"

"کہ میرا بندہ جب چالیس سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو میں اسے تین مصیبتوں یعنی پاگل پن، کوڑھ اور برص سے نجات دے دیتا ہوں اور جب وہ پچاس برس کا ہو جاتا ہے تو نرمی سے محاسبہ کرتا ہوں اور جب اس کی عمر ساٹھ سال ہو جاتی ہے تو اس کے دل میں توبہ و رجوع کی محبت ڈال دیتا ہوں۔ ستر سال کی مدت میں فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ جب اسّی سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں اور گناہ محو کر دیے جاتے ہیں اور جب وہ نوے سالہ زندگی کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے تو وہ روئے زمین پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا قیدی کہلاتا ہے۔ بعد ازاں اس بندے کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور اسے اپنے اہل و عیال کے لیے شفیع بنا دیا جاتا ہے۔"

ابن جوزی (متوفیٰ: ۵۹۷ھ) نے اس حدیث کے راویوں پر متعدد طریقوں سے کلام کیا ہے۔

یوسف بن ابی ذرہ کے بارے میں کہا "راوی المناکیر لیس بشیء۔" "فرج، منکر الحدیث، ضعیف راوی ہے کہ کمزور روایات کو صحیح سندوں سے ملا دیتا ہے۔" "محمد بن عامر احادیث میں کتر بیونت سے کام لیتا ہے، ثقات سے ایسی روایتیں بیان کرتا ہے جو ان کی حدیث سے نہیں۔" "عزرمی متروک۔" "عزرہ کو یحیٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔" "عباد بن عباد مستحق الترک۔" "ابو الحسن کوفی، مجہول اور عائذ، ضعیف راوی ہیں۔

ابن جوزی نے مذکورہ وجوہ طعن ذکر کرنے کے بعد اس حدیث کو موضوع قرار دیا۔ ان کا یہ فیصلہ کہاں تک درست ہے؟ اس کے متعلق قاضی شوکانی (متوفیٰ: ۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں "ابن جوزی نے اس حدیث پر موضوع کا حکم لگا کر نہایت افراط اور اٹکل پچو سے کام لیا ہے، حالاں کہ اس قسم کی جرح سے موضوعیت کا قول نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس حدیث کا اقل درجہ یہ ہے کہ "حسن لغیرہ" ہے، اللہ ہی سیدھا راستہ چلانے والا ہے۔"

فائدہ (۳۰): حدیث موضوع کسی بھی باب میں معتبر نہیں

حدیث موضوع، کسی طرح کار آمد نہیں، کثرتِ طرق کے باوجود اس کی تلافی ہو سکتی ہے، اور نہ اس کا زخم (عیب) مندمل ہو سکتا ہے، کیوں کہ شر کی زیادتی سے شر میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ نیز، موضوع، معدوم کی منزل میں ہے اور معدوم قوی ہوتا ہے اور نہ اسے تقویت پہنچائی جا سکتی ہے۔ شیخ الاسلام (امام بن حجر عسقلانی) سمیت محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک موضوع کی ایک قسم وہ ہے جو کذاب سے مروی ہو اور ایک دوسری جماعت جس میں خاتم الحفاظ (علامہ جلال الدین سیوطی) بھی ہیں کا کہنا ہے کہ موضوع وہ ہے جس کو متہم بالکذب روایت کریں۔

امام سخاوی (متوفیٰ: ۹۰۲ھ) نے مذکورہ دونوں قسموں کو شدید ضعف کے مساوی اور مماثل قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ موضوع کی معرفت، مقررہ آثار و قرائن ہی کے ذریعے ممکن ہے، بایں طور کہ وضاع یا کذاب راوی، اس روایت میں منفرد ہو جیسا کہ اس کتاب میں ذکر کیا گیا۔ میرے نزدیک یہی موقف صواب سے قریب تر ہے۔

رہی وہ حدیث جس میں شدتِ ضعف کا یہ عالم ہو کہ وہ متعلقہ حدیث کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر دے مثلاً راوی کی سخت غلطی (فرطِ غفلت وغیرہ) لیکن ابھی وہ کذب کی حد میں داخل نہ ہوئی ہو تو وہ ضعیف، فضائل کے باب میں معتبر اور مقبول ہے جیسا کہ عام علما کے اقوال سے اس کی تائید ہوتی ہے اور یہی موقف، اصول و قواعد کے عین مطابق ہے۔ مگر شیخ

الاسلام کی ایک روایت کے مطابق یہ شدید ضعف، فضائل میں معتبر نہیں۔ ان کے متبعین میں سے امام سخاوی وغیرہ نے اسی قول کو اپنایا ہے۔ ہاں اس کے ضعیف طرق، کثیر ہوں تو ان کے نزدیک بھی فضائلِ اعمال میں وہ حدیث مقبول اور لائقِ اعتبار ہے۔ کیوں کہ ان طرقِ کثیرہ کے مجموعہ میں ایک ایسی قوت ہے جو قابلِ حجت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لہذا بابِ فضائل میں اس پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن احکام میں اس سے احتجاج اور استدلال جائز نہیں اور نہ ضعیف کی یہ نوع، "حسن لغیرہ" کے مرتبہ کو پہنچ سکتی ہے۔ البتہ تعددِ طرق کے علاوہ کسی اور صالح طریقے سے اس کا ضعف ختم ہو جائے تو اب یہ "حسن لغیرہ" کے درجہ کو پہنچ جائے گی اور احکام میں قابلِ حجت ٹھہرے گی کیوں کہ اس وقت یہ دو ایسی ضعیف حدیثوں کے مثل ہو جاتی ہے جو آپس میں مل کر ایک دوسرے کی تقویت کا فائدہ دیتی ہیں......

اور جس حدیث میں معمولی ضعف ہو کہ وہ اسے پایۂ اعتبار سے ساقط نہ کرے تو اس صورت میں وہ صرف فضائل کے باب میں معمول اور معتبر ہے، اگرچہ متعدد سندوں سے اس کی تلافی نہ ہو اور اگر تلافی ہو جائے، خواہ ایک ہی سند سے کیوں نہ ہو اور اس کا ضعف ختم ہو جائے تو اس وقت یہ ضعیف "حسن لغیرہ" ہو گی اور احکام میں قابلِ حجت ہو گی، جیسا کہ اس سے قبل جابر (کمزوری دور کرنے والے امور) کی بحث میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا۔

بہر حال یہ ضعیف کی قسمیں تھیں۔ رہی وہ روایت، جس میں صحیح کی شرطوں میں سے کوئی نقص نہ ہو البتہ ضبطِ راوی سے متعلق اس میں ضعف اور قصور پایا جائے، لیکن یہ ضعف، غفلت کی حد تک نہ ہو تو یہ حدیث "حسن لذاتہ" ہے اور احکام میں قابلِ حجت اور لائقِ استناد ہے۔ اور اگر "حسن لذاتہ" کے ساتھ اس کی مثل ایک بھی روایت مل جائے تو اب یہ "صحیح لغیرہ" کے مرتبہ کو پہنچ جائے گی بشرطے کہ وہ موید اس سے (حسن لذاتہ) سے کم درجہ کی نہ ہو۔ ہاں کم درجہ کی متعدد روایتیں پائی جائیں تو "حسن لذاتہ" ترقی کر کے "صحیح لغیرہ" کی منزل میں داخل ہو جائے گی۔

فائدہ (۳۱): عمل بالموضوع و عمل بمافی الموضوع میں بون بعید ہے

حدیث موضوع پر عمل کرنا اس کی ایک الگ نوعیت ہے اور جو کچھ موضوع میں ہے اس پر عمل کرنا یہ الگ چیز ہے۔ ان دونوں کے بیچ، زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دوسری قسم یعنی عمل بمافی الموضوع مطلقاً ممنوع نہیں۔ ممانعت کا قول کرنا، گویا وضاع اور جھوٹے راویوں کے ہاتھوں، حرمت و وجوب کا اختیار سونپنا ہے، کیوں کہ جائز اور مباح کام جو لاکھوں کی تعداد میں ہیں وہ شرعاً جائز ہیں۔ راوی اگر ان میں سے ترغیب اور بشارت سے متعلق حدیث گڑھے تو لازم آئے گا کہ وہ حرام ہو جائے۔ انذار اور وعید میں کوئی من گھڑت روایت پیش کرے تو وہ واجب ہو جائے۔ اس طرح ترغیب و ترہیب دونوں سے متعلق ہر راوی کذب بیانی سے کام لے تو بیک وقت واجب اور حرام کا تحقق ہو گا۔

اور پہلی قسم یعنی عمل بالموضوع، اس کی رعایت کرتے ہوئے اس کا فعل بھی مطلقاً ممنوع نہیں، البتہ احتمال اور اس کے ثبوت کا اعتقاد، یہ ممنوع ہے اور عمل بالحدیث کا مطلب یہی ہے کہ اس پر اعتماد اور اس کے مقتضیٰ کو سامنے رکھتے ہوئے اس سے ثابت شدہ حکم اور عمل کی پیروی کی جائے۔ اس قید کا اضافہ اور رعایت ضروری ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے؟ کہ جب کسی فعل سے متعلق صحیح اور موضوع حدیث، موافق ہوں تو صحیح پر عمل کی صورت میں موضوع پر عمل نہ ہو گا تو اس سے معلوم یہ ہوا کہ عمل بالضعیف اور عمل بمافی الضعیف میں بڑا فرق ہے۔

فائدہ (۳۲): ضعیف راویوں سے روایت کرنے کی تحقیق

فضائلِ اعمال اور احکام سے متعلق وارد ضعیف احادیث اور اس کے مابین فرق و امتیاز کا ذکر گزشتہ مباحث میں ہو چکا۔ ان تمام بحثوں کا تعلق، عمل بالضعیف کے جواز و عدم جواز سے تھا۔ لیکن جہاں تک حدیثِ ضعیف اور اس کے رواۃ سے نقل و روایت کا سوال

ہے تو اس سلسلے میں تمام تر تفصیلات، فن کی کتابوں میں موجود ہیں اور اس کے ذکر سے اوراقِ کتب، بھرے پڑے ہیں۔

ان "مسانید" کی وسعت کو چھوڑیے جن میں صحابی کی مرویات الگ الگ جمع کی جاتی ہیں اور "معاجم" کی بات مت پوچھیے جو شیخ سے منقول احادیث کی حفاظت کرتی ہیں۔ (کہ ضعاف سے مروی احادیث کے ذکر میں معاجم بھی مسانید کے مثل ہیں) بلکہ خود جوامع کا بھی یہی حال ہے، جو اس باب میں وارد شدہ احادیث میں، اعلیٰ قسم کی روایات جمع کرتی ہیں۔

علم حدیث کے کوہِ ہمالہ، امام بخاری (متوفی:۲۵۶ھ) اپنی صحیح میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں۔

"حدثنا علی بن عبد اللہ بن جعفر حدثنا معن بن عیسی حدثنا أبی بن عباس بن سهل عن ابیه عن جده قال كان للنبی ﷺ فی حائطنا فرس يقال له اللحيف اھ۔" کہ ہمارے مکان کی دیوار کے سائے میں حضور کا ایک گھوڑا تھا جس کا نام "لحیف" تھا۔

سلسلۂ سند کے ایک راوی "ابی بن عباس بن سہل" کے بارے میں "دولابی" نے کہا کہ یہ قوی نہیں، ابن معین نے اس کی تضعیف کی۔ امام احمد نے "منکر الحدیث" کا قول کیا۔ (تذہیب التہذیب، از امام ذہبی)

اسی وجہ سے امام دار قطنی (متوفی:۲۸۵) نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ نے کہا کہ اس میں ضعف ہے اور بخاری میں اس حدیث کے علاوہ، ابی بن عباس کی کوئی حدیث موجود نہیں ہے۔

علاوہ ازیں "متابعات" اور "شواہد" میں ضعیف احادیث کا ذکر، مشہور اور کثیر الاستعمال ہے۔ ہمیں اس تفصیل سے کوئی بحث اور سروکار نہیں، بلکہ ہمیں تو یہ بتلانا مقصود ہے کہ علم حدیث کی دو بلند قامت شخصیت، حضرات شیخین نے بھی متعینہ شرطوں سے ہٹ کر اپنے اصول کے خلاف، ضعیف روایات کو جگہ دی ہے۔

علامہ بدر الدین عینی (متوفیٰ :۸۵۵ھ) "مقدمۂ عمدۃ القاری شرح بخاری" میں تحریر فرماتے ہیں، "متابعات اور شواہد میں بعض ضعیف رُواۃ کی مرویات بھی آئی ہیں اور صحیح میں محدثین کی ایک جماعت نے توابع اور شواہد کے طور پر ایسی ضعیف روایات ذکر کی ہے۔"

امام نووی (متوفیٰ :۶۷۶ھ) نے "مقدمۂ شرح مسلم" میں فرمایا کہ "بعض عیب جو حضرات نے امام مسلم (متوفی:۲۶۱ھ) پر یہ اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے اپنی صحیح میں بعض ضعیف اور طبقۂ ثانیہ کے متوسط رُواۃ سے احادیث روایت کی ہیں، حالاں کہ ضعف کے حامل یہ رواۃ، صحیح کی شرط پر نہیں، لیکن اس معاملے میں ان پر کوئی طعن اور عیب درست نہیں، اس کے متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔ یہاں تک کہا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ضعف، ان روایات میں ہے جنہیں متابع اور شاہد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔"

بلکہ ہمارے شیخ امام احمد رضا قدس سرہ (متوفی:۱۳۴۰ھ) ارشاد فرماتے ہیں۔ "میں اس کلام کو ان اصولوں کے بغیر خاص نہیں کر سکتا جو عقائد و احکام سے متعلق روایات کے سقم کے بارے میں ہیں۔ اگر اسے علما بیان نہ کریں تو آخر کون بیان کرے گا؟ اس بات کا التزام کرنے والے علما، بہت کم ہیں۔ لیکن جہاں تک راویوں کا معاملہ ہے تو ان کے یہاں روایت کے ساتھ بیان کا طریقہ معروف نہیں، البتہ کسی خاص ضرورت کے پیشِ نظر، بیان بھی کر دیا جاتا ہے اور ان میں سلفاً و خلفاً یہ معمول رہا ہے کہ وہ ضعیف اور مجہول راویوں سے روایت بیان کرتے ہیں اور یہ فعل ان کے نزدیک جرح و طعن اور نہ کسی معصیت کا ارتکاب شمار کیا جاتا ہے۔"

مذکورہ مباحث اور تفصیلی کلام، یہ ہمارے شیخ امام احمد رضا قدس سرہ کے بحرِ عظیم اور دریائے علم و حکمت کی ایک چھوٹی سی نہر ہے۔

نوٹ:— مسانید، حدیث کی ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں ہر صحابی کی مرویات، الگ الگ ذکر ہوں جیسے مسند امامِ اعظم۔

معاجم:۔ جن کتابوں میں ترتیبِ شیوخ سے احادیث لائی جائیں مثلاً معجم طبرانی۔

جامع:۔ جس میں آٹھ عناوین پر مشتمل احادیث ہوں اور وہ یہ ہیں۔ سیر، آداب، تفسیر، عقائد، فتن، احکام، اشراط اور مناقب مثلاً جامع ترمذی۔

جب ایک راوی سے کوئی حدیث مروی ہو اور دوسرے سے اسی کے موافق یعنی بلفظہٖ کوئی حدیث مروی ہو تو دوسرے کی حدیث کو متابع اور پہلے کی روایت کو متابَع کہتے ہیں۔ اگر دوسرا راوی اس حدیث کے ہم معنی حدیث روایت کرے تو اسے "شاہد" کہتے ہیں۔

(از: مترجم غفرلہ)

روایت در روایت بارگاہ ناز تک جاتا

مری صحت کو اجماع صحابہ معتبر کرتا
میں لفظ قال بن کر متن و حدیث سے جڑا رہتا

میں ہوتا جزئیات دین کی تقسیم کا مقسم
فداک یا رسول اللہ متاع ہستی عالم







